آزادیٔ نسواں کا اسلامی تصور

غلو پسندانہ شکوک وشبہات کا ازالہ

تحریر:

ڈاکٹر محمد عمارہ

نام کتاب: آزادی نسواں کا اسلامی تصور
مصنف: ڈاکٹر محمد عمارہ
مترجم:
صفحات: ۱۸۸
قیمت:
سن اشاعت:

فہرست

تمہید	۵
پہلا باب: عورتوں میں اجتماعی امور کے اندر شرکت کی اہلیت	۳۳
۱-اجتماعی امور میں عورت کی شرکت	۳۵
۲-نسواں تحریک جدوجہد	۷۰
۳-شرعی اصول ''سد باب'' کی متوازن عملی شکل	۷۷
دوسرا باب: آزادی نسواں کے اسلامی نہج پر پانچ شبہات	۸۵
۱-مردوں کی بہ نسبت عورت نصف میراث کی مستحق	۸۹
۲-مرد کی بہ نسبت عورت کی نصف گواہی	۹۳
۳-عورت دینی اور عقلی طور پر ناقص	۱۱۴
۴-عورت کی سربراہی قوم کی نامرادی کا باعث	۱۳۶
۵-عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کی برتری	۱۴۷
آخری بات	۱۶۴
مولف-اپنی شخصیت کے آئینے میں	۱۷۱
مولف کی فکری تحریریں	۱۷۶
مراجع ومصادر	۱۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید:

میں بیسویں صدی کے نصف میں معہد احمدی کے اندر ازہری نصاب کے سیکنڈری کا طالب علم تھا جو طنطا میں واقع ہے، شوسلسٹ پارٹی مصر الفتاۃ (نوجوانوں کا مصر) سے سیاسی دلچسپی تھی ساتھ ہی مجھے اسلام اور اس کے فکری وتہذیبی ورثہ سے گہری واقفیت تھی، جبکہ مغربی افکار میرے زیر مطالعہ تھے، میں مسجدوں اور جلسوں کے اندر تقریریں کرتا، ترقی و بیداری، حریت پسندی وتجدیدی خیالات کے دفاع میں مباحثے اور مناظرے ہوتے، شعری ونثری کاوشیں بھی جاری تھیں جنہیں میں رسائل ومجلّات میں شائع کراتا تھا۔

بالفاظ دیگر میں ''روایتی ازہری نہیں تھا جب کہ ان دنوں بیشتر ازہری طلباء وشیوخ ہوا کرتے تھے۔ انہیں دنوں شہر طنطا کا مصر کے اندر تحریک نسواں کی مشہور ترین قیادت سے سابقہ پڑا جو جماعت بنت نیل (دختر نیل) کی خاتون لیڈر تھی، میں اپنے شیخ مرحوم شاعر ابراہیم بدیوی کے ساتھ اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے پہنچا تھا جو ان خاتون لیڈر کی جانب سے ''انجینئرنگ کلب'' میں منعقد کیا گیا تھا۔ قبل اس کے کہ مجھے اس خاتون لیڈر کی تقریر کی زبان اور ان کے تقریری مواد پر حیرانی ہوتی جس کی دعوت ایک مصری اور شرقی خاتون کی جانب سے دی جارہی تھی، میں ان خاتون لیڈر کے سراپے کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا جو مصری خواتین کی آزادی اور قیادت کے لئے برسرپیکار تھی۔

زیبائش وسنگار کا معیار، بدن کو برہنہ اور نسوانیت کی نمائش کرنے والے لباس میں ملبوس، ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اپنی نشست پر متمکن، سگریٹ کے کش ہیں کے تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ اس منظر نامے نے مجھے اپنے افکار وتفکرات سمیت انجینئرنگ کلب سے شہر طنطا

پہنچادیا۔ میں اس ''خاتون لیڈر'' کی محفل سے اٹھ کر اپنے وطن جا پہنچا جو میری جائے پیدائش ہے، وہاں کی خواتین کی تصویریں اور ان کے شب وروز کے مناظر میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے، جنہیں میں خوب خوب جانتا تھا، انہیں کے مابین میں پروان چڑھا تھا اور انہیں کے گودوں میں پلا بڑھا تھا۔ یہ وہ خواتین تھیں جو کام کی انجام دہی میں مردوں کے مقابلہ کرتی ہیں، انہیں حقوق سے محرومی کی نہیں بلکہ اپنے حاصل شدہ حقوق وواجبات کی کثرت پر شکایت ہوتی ہے، جو فجر کی اذان سے قبل جاگ اٹھتی ہیں کہ اپنے شوہر اور بچے بچیوں کو بیدار کردیں تاکہ پورا گھر مرد وعورت کی کسی تفریق کے بغیر محنت وجفاکشی کے اپنے روزینہ کا سلسلہ شروع کردے۔ انسان وجانور ہر ایک کی یکساں نگہداشت کے بعد ہی بعد نماز عشا وہ انتہائی معمولی قسم کے اپنے بستر آرام پر پہنچتی ہے وہ بھی تب جب اسے بستر نام کی کوئی چیز میسر ہو۔ ان تمام امور کی انجام دہی پاکدامنی اور شرم وحیا کے باب میں شوہر کے حقوق کی پاسداری اور بچے بچیوں کی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اولاد کے ساتھ بے پناہ مادرانہ شفقت ومحبت اور جودوستی کا برتاؤ، رضاعت کے طبعی عمل سے لے کر کھانا کپڑا، صفائی، بلکہ سونے سے پہلے ''غلیون'' اور ''شاطر حسن'' کے قصے سنا تا سبھی کچھ ان کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔

میں جماعت ''دختر نیل'' کی اس خاتون لیڈر کو دیکھ رہا تھا اور اس سوچ میں گم تھا کہ یہ خواتین مصری شہروں کے قبائلی محلوں اور دیہی علاقوں کی اپنی ہم معاشرہ خواتین سے مل کر ہمارے ملک کی نوے فیصد خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں، میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ:

کیا ہمارے ملک کی خواتین اور اس خاتون لیڈر کے درمیان کوئی ادنی مناسبت بھی پائی جاتی ہے؟

اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ خاتون لیڈر ہمارے ملک کی خواتین کی نمائندگی اور پھر ان کی قیادت کرے؟

یہ خواتین جب اس خاتون لیڈر کو دیکھیں گی اپنی حیا پروری کی بنا پر تو شرم سے پانی پانی ہونے اور اس کے سراپے اور گفتگو کا بے محابہ و بے ساختہ ٹھٹھا اڑانے کے علاوہ اور کیا کریں گی؟

اسی دن سے یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی کہ ہم ایک بد بختانہ فکری تضاد کے شکار ہیں جس نے اس موضوع پر اور بطور خاص خواتین کے ساتھ انصاف اور ان کی آزادی کے مسئلہ پر ہمارے معاشرے کو مختلف الخیال اور بسا اوقات متصادم فکری خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔

نسواں تحریک کے مغربی فکری نہج نے کچھ ایسے افراد کار اور سرگرمیوں کو جنم دیا ہے جنہوں نے ایک ناقص فکری زاویے کی شکل اختیار کر لی ہے جس کا دائرہ اپنی فکری معقولیت اور اثر انداز ہونے کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت محدود ہے، جو عورت کو مرد کا ہم مثل و ہم صنف اور مد مقابل کے طور پر دیکھتا ہے۔

اس ناقص فکری زاویے کی رو سے عورت کی آزادی، مردوں کے خلاف نبرد آزمائی، اسلام اور مشرقی تہذیب و اقدار کی مخالفت کی راہ سے ہو کر گذرتی ہے جو عورت کو عورت باقی رکھنے اور اسے انصاف و آزادی دلانے میں متوازن کردار ادا کرتے ہیں ساتھ ہی مرد و عورت کے درمیان پائے جانے والے طبعی فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

اس ناقص فکر زاویے نے اسلام اور مشرق کے تہذیبی اقدار و نظام کو صرف اس لئے مسترد کر دیا کیونکہ یہ اس کی نظر میں ''مردانہ نظام'' تھا۔

اس ناقص فکری نہج کو بیسویں صدی کے اخیر کے دہائیوں میں فروغ حاصل ہوا جو مغرب کے نسواں تحریکات کی نقالی و پیروی کے روز افزوں رجحان کا اثر تھا، اس رجحان کے اندر عورت کے سراپے اور نسوانی کشش کے گرد ارتکاز اس درجے پروان چڑھا کہ دینی نظام، ایمانی قدریں، تہذیب و فلسفہ، معاشرت اور تاریخ سے آزادی کے علاوہ خاندانی نظام کی تاریخی قدروں اور شرعی خدوخال سے گلوخلاصی ہی ''آزادی نسواں'' کی سبیل قرار پائی۔

اس نہج کے فروغ میں سرگرم عمل یہ نسواں تنظیمیں اور تحقیقی مراکز پوری طرح سے اس مغربی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں جو انہیں اور ان کے ''فعال کارکنان'' کو مغربی سرمایہ داروں کی جانب سے متعین طور پر ملا ہے۔ ہم اپنے اسلامی ومشرقی عرب معاشرے کے اندر اس بازگشت کو سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں جو جملہ روایتی قدروں کے خلاف بغاوت کی دعوت دیتا ہے خواہ مذہبی تقدس کی حامل قدریں ہوں یا تہذیبی ورثہ ہوں، یہ دعوتی مہم مغربی قدروں پر مبنی نظام کے قیام کی داعی ہے اور بعد اس کے کہ اس نے خود کو عیسائی قدروں اور مغرب کے قدیم معاشرتی رسم ورواج سے علاحدہ کرلیا ہے، وہ اپنے اس نظام کو اسلامی وشرقی قدروں پر مبنی نظام کے بدل کے طور پر پیش کرنا چاہتی ہے، اور جس اصول کے تحت اس اقدام کو برتا گیا ہے اس پر یہ قدیم تاریخی حکیمانہ مقولہ خوب صادق آتا ہے کہ جو خواجہ کی روٹی کھاتا ہے اسے اس کی تلوار کی دھار بھی جھیلنی پڑتی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ان تنظیموں اور تحقیقی مراکز نے عورتوں کے ختنہ کے مسئلہ پر پوری مستعدی کے ساتھ کیسے پوری دنیا کو اپنے سر پر اٹھا لیا جب کہ اجتماعی قبروں کے تعلق سے ان تنظیموں کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا جو مغرب کی استانی تھی یا وہ اس کی حوصلہ افزائی کررہا تھا، یا پھر چپی سادھے ہوا تھا، جب کہ اس سانحے میں ہزاروں مرد وعورت زندہ دفن کردیئے گئے تھے بلکہ یہ تنظیمیں بلقان کے اندر مسلم خواتین کی پوری ایک جماعت کے منظّم اغوا پر بھی خاموش ہیں۔

اور یہ بھی ہماری نظروں میں ہے کہ ذرائع ابلاغ اور مغربی بطور خاص صہیونی کلچر کس قدر اس ادب کی پذیرائی میں مصروف ہے، جو مشرقی خواتین کی غلط شبیہ پیش کرتا اور اسلامی قدروں کی بخیئے ادھیڑتا ہے۔ اس نے اس خاتون روپیہ کو لیڈر بنا دیا جس نے اپنے ذریعہ اپنے شوہر کو مارے گئے تھپڑ کو قرطاس کی زینت بناڈالا ہے اسے مغربی ذرائع ابلاغ نے نجیب محفوظ کی

نامزدگی سے پہلے نوبل پرائز کے لئے نامزد کرآئیڈیل شخصیت قرار دیا ہے۔

یہ اس لئے کہ مغرب کے اندر نسواں تحریکوں نے اپنے آپ کو ایک نئے ''لاہوتی نظام'' میں ڈھالنے کے بعد مزید پیش قدمی کرتے ہوئے اس ''مذہب بیزار لاہوتی نظام'' کو ایک بین الاقوامی معاہدے کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں قاہرہ کے اندر بین الاقوامی کانفرنس بڑے امور باشندگان وترقی کے ذریعہ اقوام متحدہ کے پرچم تلے مغرب اپنے گلوبلائزیشن کے عمل کی جانب سے بہت تیزی سے بڑھا ہے اسی وقت سے یہ نسواں تحریکیں تحقیقی مراکز کے ہمراہ ہمارے ملک میں ظہور پذیر ہوئیں، جنہیں مغربی اداروں اور حکومتوں کی جانب سے سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے اور پھر انہوں نے ''مذہب بیزار لاہوتی نظام'' کی تبلیغ شروع کردی۔

☆ چنانچہ خاندانی ڈھانچے میں تبدیلی کی ہوائیں چلیں، شرعی احکام کے مطابق مرد وعورت کے مابین میل جول کے اصول پر قائم آئینی خاندان کو ''افراد'' کے مابین محض من چاہے ملاپ پر مبنی خاندان میں تبدیل کرنے کی تحریک چلائی گئی قطع نظر اس کے کہ وہ مرد وعورت ہیں یا مرد مرد یا عورت عورت، وہ پختہ عمر ہیں یا نوعمر بچے بچیاں!

☆ پھر اس کے بعد معاشرے میں عورتوں کے مکمل اختلاط اور گھروں کے اندر مردوں کے مکمل اختلاط کا مطالبہ شروع کیا گیا۔

☆ بعد ازاں پاکدامنی کنوارہ پن زوجین کے مابین وفا وامانت داری جیسے مقدس امور کی پامالی کی ضرورت پر گفتگو شروع ہوئی! یہاں تک کہ ''حیا'' ایک نفسیاتی مرض بن گیا لوگ ڈاکٹروں کے پاس جاکر اس سے گلوخلاصی اور علاج چاہنے لگے حالانکہ اس سے پہلے وہ ان کے ایمان کا جزو تھا۔

☆ جنسی توانائی اور جنسی طور پر توانا لوگوں کے حقوق پر گفتگو شروع ہوئی جس کے لئے شرعی حدود وقیود کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ ان کے ''صحیح'' معنوں میں جنسی توانائی

کھانا پانی کی طرح صرف اور صرف ایک جسمانی حق (ضرورت) ہے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ کھانا پانی حلال ہے یا حرام! مذہب بیزار لاہوتی نظام کے ان داعیوں کے نزدیک جنسی توانائی سے جو کچھ مطلوب ہے وہ یہ کہ جنسی عمل ''ذمہ دارانہ اور محفوظ'' ہو اس کا ''جائز یا دستوری'' ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

☆ اوائل عمری میں شادی کو حرام اور جرم قرار دیئے جانے کے تعلق سے گفتگو کا آغاز کیا گیا ساتھ ہی اس کے متبادل بھی زیر غور آئے جن میں سے ایک ''نوعمری میں زنا کاری'' ہے جسے نوعمر بچے بچیوں کا حق قرار دیدیا گیا (ہماری کتب میں ان افکار ومشن پر تحریریں دیکھیں: صراع القیم بین الغرب والاسلام، مطبوعہ دار نہضہ، قاہرہ، مصر ۱۹۹۷ء، اور مخاطر العولمۃ علی الھویۃ الثقافیۃ، مطبوعہ دار نہضہ، قاہرہ مصر ۱۹۹۹ء، اور مستقبلنا بین العالمیۃ الاسلامیۃ والعولمۃ الغربیۃ مطبوعہ دار نہضہ، قاہرہ، مصر ۲۰۰۰ء اور ان سب پر فائق برناج عمل المؤتمر الدولی للسکان والتنمیۃ قاہرہ ۱۹۹۴ء)۔

☆ عربی زبان وادب سے بغاوت کی تحریک سامنے آئی دعوی یہ تھا کہ یہ ایک ''مردانہ'' زبان ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ''زنانہ'' زبان ہونی چاہئے جو مردانہ زبان سے مقابلہ اور اٹھا پٹخ کر سکے۔

☆ بلکہ یہ نسواں تحریکیں خدا تعالی سے بغاوت کی حد تک جا پہنچیں چنانچہ ذات باری تعالی ان کی نگاہ میں مرد قرار پائی (نعوذ باللہ) اور اپنے مرد ہونے کی وجہ سے اس نے زنانہ حضرت حوا کی مخالفت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ طرف داری اور جانبداری سے کام لیا، چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالی کے حضرت آدم علیہ السلام کی جانب متوجہ ہونے کا ذکر آیا ہے، لیکن حضرت حوا کی جانب متوجہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

یہ عورتیں بے چاری آیت کے اس بے ہودہ مفہوم میں جا پڑیں اور اس سے بے خبر

رہیں کہ دراصل اسی آیت کی رو سے حضرت حواء علیہا السلام ارتکاب گناہ کی سزا سے بری ہوئیں اور اسی آیت کے اندر یہ بات بتائی گئی کہ بھول چوک اور معصیت کے اصل مرتکب حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں جب انہوں نے توبہ کی تو خدا تعالی نے ان کی جانب توجہ فرمائی، یہاں تو سرے سے حضرت حواء کی توبہ کی ہی کوئی وجہ نہیں تھی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالی ان کی جانب توجہ فرماتا جو انتہائی توجہ فرمانے والا اور ہر توبہ کرنے والے اور کرنے والیوں کے توبہ کو قبول فرماتا ہے:

"**فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم**" (سورہ بقرہ:۳۷) (حضرت آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالی نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

حضرت آدمؑ ہی تھے جو معصیت کے مرتکب ہوئے: "**وعصی آدم ربه فغوی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدی**" (طہ:۱۲۱-۱۲۲) (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا پھر اس کے رب نے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی)۔

شیطانی گمرہی کے دونوں ہی ساتھ ساتھ شکار ہوئے تھے لیکن قرآن کریم نے اس بات کی صراحت کردی کہ وہ حضرت آدم ہی تھے جن کی طاعت الہی کی پختگی میں کمی آگئی تھی، چنانچہ وہ چوک اور اور معصیت کے شکار ہو گئے۔

میں نے مغربی گرجا گھروں کے اداروں میں فطرت سے اس بغاوت پر آمادہ لوگوں کے لئے اس دعوتی مہم کو دیکھا ہے چنانچہ بہت سے چرچ ہم جنس جوڑے اور جوڑیوں کے ملاپ کا پروگرام منعقد کرتی ہیں بلکہ اگر ہم جنس سے متعلق جانکاری مطلوب ہو تو اس کے لئے گرجا گھروں کے پروہتوں سے رابطہ کیا جاتا ہے، ان کی مقدس کتابوں کے ترجمے جو جدید ایڈیشن میں چھپ کر آئے ہیں انہیں اعزاز والقاب کے الفاظ مذکر ومؤنث دونوں صیغوں کے ساتھ آئے ہیں۔ اسی طرح سے پارلیمانی قانون ساز ادارے ہم جنسی کے اس علم کو آئینی حیثیت دینے لگے ہیں، اس

پر مستزاد یہ کہ ہم جنس پرستوں کے لئے اس (قبیح عمل) کو فطری عمل قرار دے کر ان تمام حقوق کے لئے راستہ صاف کیا جارہا ہے جو مرد وعورت کے رشتہ ازدواج کو حاصل ہوتے ہیں، اس طرح سے انہوں نے اس عمل کو ''مجرمانہ فعل'' کے زمرے سے نکال کر فطری حقوق کے دائرے میں رکھ دیا ہے، اور ''غیرت وحمیت کی موت کا اعلان کر دیا ہے۔

''مغرب کی نسواں تحریکوں'' کی دعوت مہم جوئی میں یہ انقلابی تبدیلی بیسویں صدی کے اخیر کے دہائیوں میں رونما ہوئی، جبکہ ہمارا اسلامی اور مشرقی معاشرہ اس فکری نہج کو گلوبلائزیشن کے مغربی نظام کے ایک حصہ کے طور پر نت نئے اور سنگین ترین پیرائے میں پھلتا پھولتا، اور پوری دنیا کو اس کی قدروں، تہذیبی سانچے میں ڈھلتا ہا تماشائی بنا دیکھ رہا ہے حتی کہ ہم مسلمانوں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت ''دختر نیل'' کی خاتون لیڈر کو رحمت الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

عورت اور اس کے مسائل کے موضوع پر ہمارے ملک میں جو دوسرا فکری ودعوتی نہج قائم ہے، وہ اپنے داعیوں کے نظریے کے مطابق یہ ہے کہ عورت کے اس قضیے میں دراصل کوئی حل طلب مسئلہ ہے ہی نہیں، اس کی موجودہ صورت حال سے بہتر کوئی صورت حال ہو ہی نہیں سکتی، ہماری معاشرتی عادتیں اور طور طریقے دنیا کی ہر خاتون کے لئے بہتر اور لائق تحسین ہیں، کیونکہ عورت پیدا ہی اس لئے کی گئی ہے کہ وہ مردوں کے لئے جائز تفریح کا سامان اور نوع انسانی کی بقا کے لئے افزائش نسل کا کارخانہ بننے سے کام آئے، ان متعینہ امور اور مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ اس کا کوئی مصرف نہیں ہے، چنانچہ ''شناختی کارڈ'' اور ڈرائیونگ'' اور ''ورزش'' مردوں کی نگاہوں سے بالکل دور ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ ''عام سماجی امور'' اور سیاست میں ان کا عمل دخل ہو یہ سارے اعمال حرام لائق گریز، بے پردگی کا باعث اور بے دینی وبے راہ روی کی علامت ہیں۔

اس فکر کے حامل اور داعی افراد اس حد تک جا پہنچے کہ انہوں نے اپنی اس فکر کو ابدی

وسرمدی ثابت کرنے کے لئے اسے آسمانی مذہب اور خدائی شریعت بنادیا ان کے نزدیک یہ مسئلہ محض رسم ورواج اور قدیم طور طریقے سے متعلق نہیں رہا تھا۔

مغربی ذرائع ابلاغ وسرمایہ کاری، امپرلزم کا تسلط، بیشتر بین الاقوامی تنظیمیں جو بعد میں ''مغربی گلوبلائزیشن'' کی زیرنگیں بن گئیں، ان کے علاوہ بہت سے مغربی سول معاشرتی ادارے، یہ تمام کے تمام مذکورہ پہلے فکری نہج کے استحکام کے لئے کام کرتے ہیں حتی کہ انہوں نے پورے شدومد کے ساتھ اپنی آواز بلند کی بلکہ ناقوس کی طرح ہوش ربا ہنگامہ برپا کرکے رکھ دیا جو اپنے دائرہ اطراف کی کجی کے باوجود اپنی پرزور آواز سے لوگوں کو پریشان کئے رہتا ہے۔ اسی طرح انہوں ن یاس فکر نہج کے استحکام کے لئے بہت سے مشرقی معاشروں کے اندر ثقافت، ذرائع ابلاغ اور حکومت کے بیشتر اداروں نیز سول انتظامی اداروں کے اندر اسے سیاہ وسفید کا مالک بنادیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود قومی اور عوامی سطح پر اس مغرب نواز فکری نہج کی نامرادی جگ ظاہر ہے جسے فطری طور پر مرد وعورت کے سواد اعظم نے یکساں طور پر مسترد کردیا ہے بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس مغرب نواز فکری نہج کا شور شرابہ اور انتہائی مکروہ وشنیع دعوتی نظریات کی تبلیغ میں حد سے زیادہ اضافہ کی واحد وجہ قدیم معاشرتی رسم ورواج کے اندر جمود کا رجحان ہے، جسے مرور زمانہ کے باوجود معاشرتی رسوم کے جوں کا توں برقرار رہنے کی وجہ سے تقویت ملتی رہی ہے، حتی کہ یہ دونوں فکری نہج جو کہ مشرق کی مسلم خاتون کی معاشرتی دنیا میں فکر وتحریک پر مبنی تھے، دونوں کے دونوں ہی ''غلو پسند'' کے واحد عمل کے محرک بن گئے ایک دین کے اندر غلو کا شکار ہوا تو دوسرا دین سے بیزاری میں۔

تیسرا فکری نہج جسے ہم میانہ روی پر مبنی اور اسلام کے اندر آزادئ نسواں کے تصور کی روح کا آئینہ دار سمجھتے ہیں، یہی وہ فکری نہج ہے جو ان قرآنی نصوص سے تائید شدہ اصول ونظریات سے مستفاد ہے جو عورت کی آزادی، اس کے ساتھ انصاف اور مرد وزن کے مابین مساوات کے

ضمن میں وارد ہوئے ہیں، جنہیں خدا تعالی نے ابتدائے آفرینش سے ہی یکساں طور پر ایک ساتھ ایک ہی جان وقالب سے پیدا فرمایا اور انہیں بحیثیت مجموعی روئے زمین کی آبادکاری اور تعمیر کی ذمہ داری اسی وقت سونپ دی ہے جبکہ انہیں مجموعی طور پر اس امانت کی ادائیگی کے لئے کرۂ ارضی پر اپنا جانشیں مقرر کیا تھا، اسی طرح اس ذات باری نے حضرت آدمؑ کی پوری ذہنیت کو معزز ومکرم بنا کر مرد وعورت ہر ایک کو یکساں عزت عطا فرمائی ہے، صلاحیت اور ذمہ داری، سزا اور جزا میں ان کے مابین یکسانیت کو برقرار رکھا ساتھ ہی مرد وعورت کے مابین فطری فرق کی پاسداری کو بھی ملحوظ رکھا تا کہ جانبین اپنے اندر موجود ایک دوسرے کی جانب فطری میلان کے ذریعہ ازدواجی مسرت کی نعمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں جو کہ اپنی صنفی خصوصیات میں باہم مختلف ہیں اگر وہ اپنے ان صنفی خصویات میں ہم مثل وہم صنف ہوتے تو ان کے درمیان کسی ''دوسرے'' کا تصور محال تھا، اور یہی ان میں وہ میلان جو دلوں کی باہمی کشش کا باعث ہوتا ہے۔ مرد وعورت کے درمیان فرق کی پاسداری میں ایک دوسری مصلحت یہ ہے کہ تخلیق، انسانی شرافت، فطری استعداد واہلیت، سزا وجزا اور عام معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں متحدہ اشتراک عمل پایا جائے، ان تمام امور میں مساوات دو مختلف صنفوں کے درمیان ہے نہ کہ دو ہم مثل وہم صنف کے درمیان، اور نہی باہم دست گریباں دو صنفوں کے درمیان۔

میانہ روی پر مبنی یہ نہج اپنے ان بنیادی خطوط اور فکری زاویے سے ماخوذ ہے جن کی تائید نص قرآنی سے ہوتی ہے جو مرد کو عورت کا جزو اور عورت کو مرد کا جزو قرار دیتا ہے۔ آیت ہے: ''**بعضهم أولياء بعض**'' (توبہ:۷) (مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہیں)۔

''**لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثى بعضكم من بعض**'' (آل عمران:۱۹۵) (تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع

نہیں کرتا تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو زوجین میں سے ہر فریق دوسرے فریق کی ستر پوشی کا ذریعہ ہے)۔

"**هن لباس لكم وأنتم لباس لهن**" (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)، وہ باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں: "**وقد أفضى بعضكم إلى بعض وأخذن منكم ميثاقاً غليظاً**" (نساء:۲۱) (حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے)۔

اس آیت کی رو سے ایک مستحکم فطری عہد و پیمان قائم ہو جاتا ہے جس کی پابندی دنیا کے تمام مردوں پر عائد ہو جاتی ہے، یہ عہد و پیمان محبت و نرم خوئی سکون اور دل کے قرار کے دفعات پر مبنی ہوتا ہے، "**هو الذى خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن إليها**" (اعراف:۱۸۹) (وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے)۔

"**ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة إن فى ذلك لآيات لقوم يذكرون**" (روم:۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

اسی طرح یہ میانہ روی اور منہج عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ عدل کے مسئلہ میں اسے عورت باقی رکھنے کا قائل ہے، عورت اگر اپنی درست صنفی روش پر قائم ہو تو وہ بحیثیت ایک عورت کے خود کو خوش قسمت سمجھتی اور قابل فخر سمجھتی ہے، اپنی نسوانیت پر اسے ناز ہوتا ہے وہ مردوں کی نقالی میں شرم محسوس کرتی ہے، اسے مردانہ روش کے اختیار کرنے سے نفرت ہوتی ہے وہ اس

سے گریز کرتی ہے۔ اسی طریقے سے درست صنفی روش پر قائم مرد اپنی مردانگی پر نازاں وفرحاں ہوتا ہے وہ بحیثیت مرد کے خود کو خوش بخت سمجھتا ہے، جب کہ اسے نامردی اور نسوانیت سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ میانہ رو نہج اپنے اصول ونظریات کے سلسلہ میں جو کہ نص قرآن سے ماخوذ ہیں، عہد نبوی کے تطبیقات سے بھی استفادہ کرتا ہے، عہد نبوی کی وہ تطبیقات جن کی برکت سے خواتین اسلام کو آزادی نصیب ہوئی اور وہ حقیقی ومعنوی دونوں طرح سے زندہ درگور ہونے سے بچ گئیں۔

ان تطبیقات نے عورت کو خاندان وحکومت اور تہذیب کی تعمیر میں ایک فعال قوت بنانے کے علاوہ اسلام کی آمد کے بالکل ابتدائی زمانے میں ہی اقامت دین اور جہاں بانی کے جملہ شعبوں میں عملی شرکت کا اہل بنا دیا۔

یہ میانہ رو فکری نہج عصر حاضر کے جدید دینی اجتہادات سے بھی استفادہ کرتا ہے جس کی رو سے عورت کے حقوق وواجبات کی جانب توجہ کو اولیت حاصل ہوتی ہے، دینی احیاء وتجدید اور اجتہادی بیداری نے اپنے پیش نظر مطلوبہ ترقی کا جو منصوبہ رکھا ہے اس میں عورت کو کلیدی فریق کی اہمیت حاصل ہے، دینی اور سیکولر دونوں غلو پسندانہ طبقوں کے فکری نہج سے مقابلے کے لئے دینی احیاء وتجدید کی اس تحریک نے قرآنی تعلیمات اور آزادی نسواں کے اسلامی تصور کے عملی شکل کو اپنی جدوجہد کی بنیاد بنایا ہے۔

سیکولر غلو پسند طبقہ عورتوں کے سلسلہ میں جس فکری نہج کی تبلیغ کرتا ہے وہ مغرب کا ہی فکری نہج ہے جس کے نتیجہ میں عورت کی حالت بشمول مغربی خواتین کے بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، جبکہ ان کی یہ درگت اس عجیب وغریب اور ہولناک صورت حال تک مغرب کے سیکولر فکر کے ذریعہ پہنچائے جانے کے بعد ہوئی ہے، جس کے چند نکات درج ذیل ہیں:

- عصمت فروشی کی تجارت، نشیلی اشیاء اور ہتھیاروں کی خرید وفروخت کے بعد دنیا کی تیسری بڑی تجارتی منڈی ہے جس کا سالانہ اعلان شدہ مالی آنکڑا ۱۳ ملین ڈالر ہے

(اخبارالاہرام ۲۸/ ۲/ ۲۰۰۱ء)۔

- ہم جنسی کے جواز اور اباحیت کی وبا کے عام ہونے کے باوجود دنیا کے اندر خواتین کے اغوا کا تناسب آسمان چھو رہا ہے۔
- مساوات کے نام پر مختلف علامتی مہم کی حصولیابیوں کے دعوے کے باوجود عورتوں کے خلاف گھریلو تشدد کا بڑھتا ہوا عالم رجحان۔
- دنیا کے اندر ناجائز رشتوں پر مبنی خاندانوں کا بڑھتا ہوا تناسب جس کی شرح جو بعض مغربی معاشرے میں پچاس فیصدی ہے۔
- دنیا کے اندر غیر قانونی بچوں یا آئینی خاندان سے باہر نشو ونما اور تربیت پا رہے بچوں کا بڑھتا ہوا تناسب جو بعض مغربی معاشرے میں چالیس فیصدی ہے۔
- دنیا کے اندر بے چینی اور خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے حتی کہ بچوں میں بھی یہ رجحان پایا جا رہا ہے جیسا کہ امریکہ کی صورت حال ہے حد تو یہ ہے کہ اونچی شرح آمدنی، بہتر معیشت اور جنسی اباحیت سے بہرہ ور معاشرے بھی اس رجحان کی زد میں ہیں جیسا کہ ملک اسکندنافیہ کے اندر دیکھا گیا۔

خود مغرب کے اندر اس کے فکری نہج کی یہ صورتحال ہے اسی فکر کی حاشیہ بردار سیکولر نسواں تحریکیں ہمارے ملک کے اندر ایسی ہی واہی تباہی کی تبلیغ میں مصروف ہیں، رہا وہ طبقہ جو دین کے اندر غلو پر مبنی رجحان کا حامل ہے تو وہ اسی غلو کی پاسداری کرتا ہے اور اسے ابدالآباد تک باقی رکھنے کے لئے کوشاں ہے غلو ہی اس کا سرچشمہ اور وہی اس کی دعوت ہے، یہ نہج عورت کو ایک ایسا ہیولہ سمجھتا ہے جو اپنے گھر پہنچنے تک سرتاپا لبادے میں نظر آئے، اس کی جملہ صلاحیتیں اور مہارت بستر کے تعیش اور بچے پیدا کرنے کے لئے ہیں اور اگر وہ تعلیم حاصل کرتی ہے تو اس کا حصول علم لازمی طور پر اسی تنگ دائرے کی وسعت تک ہونا چاہئے اسے اس سے متجاوز ہونے کی

اجازت نہیں ہے۔

جہاں تک تعلق میانہ روفکری نہج کا ہے جو عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ انصاف کے تئیں اسلامی میانہ روی کی نمائندگی کرتا ہے، یہ نہج اسلام کے ذریعہ آزادی سے سرفراز عہد نبوت سے لے کر آج تک کے نسواں قیادت کے نمونوں پر فخر کرتا ہے اور قیادت کے ان نمونوں کو اسوہ اور نمونہ زندگی بنانے کی دعوت دیتا ہے، موجودہ زمانہ کے اندر آزادی نسواں کی ہماری تحریکی جدوجہد کا آغاز بھی انہیں قائد خواتین کے نمونہ زندگی سے ہوتا ہے۔

☆ حضرت خدیجہ بنت خویلد (۳۶۸ ق ھ ۵۵۶-۶۲۰ء) آزادی نسواں کے اس اسلامی تصور کا بہترین نمونہ تھیں، اسلام کے ذریعہ عطا کی گئی آزادی کی ہی دین ہے کہ وہ نئے اور نومولود مذہب اسلام پر مردوں سے بھی پہلے ایمان لے آئیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہا انہوں نے پیغمبر اسلام ان کی دعوت اور امت کے لئے اپنی حکمت ودانا کی دولت نیز طبعی جذبہ سخاوت کا تعاون پیش کیا، ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات کا سال پوری امت کے لئے سوگ اور غم کا سال تھا۔

☆ دین میں عورت کی آزادی کا ایک نمونہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق (۲۷ ق-۷۳ق ھ ۵۹۷-۶۹۲ء) کی ذات تھی جن کے سینے میں مکۂ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی پلاننگ محفوظ تھی، ۱ھ-۶۲۲ء جو دعوت اور قوم وحکومت کی تاریخ میں نازک ترین نقل مکانی تھی وہ اس عظیم واقعہ کو عملی شکل دینے میں شریک رہیں، اپنے بہادر شوہر حضرت زبیر بن العوام (۲۸ق ھ-۳۶ھ ۵۹۶-۶۵۶ء) کی معاونت فرمائیں ان کے گھر کو ٹھیک ٹھاک رکھتیں کھیتوں میں کام کرتیں جہاں میں کام آنے والے گھوڑوں کو چارہ پانی ڈالتیں اور بعض غزوات میں تو یہ نفس نفیس ان کے ساتھ شریک بھی ہوئیں، انہوں نے اپنے لخت جگر عبد اللہ بن زبیر

(۱-۷۳ھ-۶۲۲-۶۲۲) کو بہادری، جانثاری اور جذبہ شہادت کی تربیت دی، حجاج بن یوسف ثقفی جیسے سرکشوں سے دوبدو نبرد آزما ہوئیں، ان تمام سرگرمیوں کے باوجود حضرت اسماء وہ عورت تھیں جنہوں نے خود کو اسلامی اور مشرقی شرم وحیاء کے لبادے میں رکھا، انہوں نے کبھی بھی ایسا لباس زیب تن نہیں فرمایا جس سے بے ستری ہوتی ہو اور نہی چست و باریک لباس پہننا جو بدن کی نمائش کرتا ہو، وہ اپنے شوہر کے انتہائی غیرت کا پاس ولحاظ رکھتی تھیں۔

☆ حضرت شفا بن عبداللہ بن عبد شمس قرشیہ عدویہ (۲۰ھ-۶۴۰ء) آزادی نسواں کے اسلامی تصور کا ایک نمونہ تھیں، جو پہلے پہل ایمان لے آئیں اسلام اور مسلمان امت وحکومت میں داخل ہونے پر بیعت کی، حکمت ودانائی اور اصابت رائے میں یکتا تھیں، پڑھانے لکھانے کا مشغلہ اختیار کیا، انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہ کی استانی ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ ﷺ سے احادیث نقل کرتیں، آپ سے گفتگو فرماتیں اور بسا اوقات تیز گفتگو کر جاتیں، جس پر آپ ان سے معذرت فرما لیتے، انتظامی اور حکومتی امور میں حصہ لیتیں اور اس درجے کہ حضرت عمر نے انہیں ''منصب حسبہ'' کی ذمہ داری سونپ دی تھی، جسے ایک طرح سے وزارت تجارت سمجھا جاسکتا ہے، جس کے تحت بازار کی تجارت، وزن وقیمت اور لین دین کے امور آتے ہیں، وہ نگرانی کرتیں حساب وکتاب دیکھتیں اور تاجر مرد وعورت کے قضیوں کو نمٹارہ کرتیں۔

☆ حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب (۴۰ھ، ۶۶۱ء) آزادی نسواں کے اسی اسلامی تصور کی پروردہ ہیں جو فتح مکہ کے سال ۸ھ-۶۲۹ء) ایمان لے آئیں، باوجود اس کے کہ ان کا شوہر مشرک ہوکر نجران فرار ہوگیا تھا انہوں نے اپنی قوم بنی مخزوم کے دو افراد کو اپنے امان میں لے لیا جو شرعی قصا کے سلسلہ میں مطلوب تھے، اس مسئلے پر وہ

اپنے بھائی حضرت علی بن ابی طالبؓ کے سامنے اپنے موقف پر جم گئیں جوان دونوں پر قصاناً فذ کرنا چاہ رہے تھے وہ اپنے امان کی حمایت میں اپنے بھائی سے ایسا لڑ پڑیں کہ ان کی ایک نہ چلنے دی، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے عہد و پیمان اور امان کو یہ کہتے ہوئے قبول فرمالیا:

'' جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دیدیا، اور جسے تم نے امان دی اسے ہم نے بھی امان دیدیا، لیکن علی پر غصہ نہ کرو خدا تعالی کو ان کے غصہ کی وجہ سے غصہ آجاتا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت علی سے اپنا جھگڑا ختم کرلیا، اس موقع سے آنحضرت ﷺ حضرت علی سے دل لگی فرمائی کہ اے علی! تم پر ایک عورت غالب آگئی، تو حضرت علی نے کہا: خدا کی قسم اے اللہ کے رسول میرے تو پیر بھی زمین پر سے نہیں اٹھ رہے ہیں اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے ہنسی فرمائی اور کہا کہ اگر لوگ ابوطالب کی اولاد ہوتے تو بہادر ہوتے۔

حضرت ام ہانی کے ساتھ آزادی نسواں کا یہ اسلامی تصور اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اپنے رشتہ کا پیغام دیا وہ ازواج مطہرات اور امہات المومنین ہوجاتیں جبکہ اس سے پہلے اسلام نے انہیں ان کے مشرک شوہر سے علاحدہ کردیا تھا جو مشرک ہوکر نجران فرار ہوگیا تھا۔ حضرت ام ہانی نے آپ سے رشتے کے سلسلہ میں معذرت کرلی اور اس کے لئے انتہائی مؤدبانہ انداز اختیار کیا اور اپنا حد درجہ حکیمانہ موقف آپ کے سامنے رکھا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے اپنی سماعت و بصارت سے زیادہ محبوب ہیں، شوہر کے حقوق بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ میں اگر شوہر پر توجہ دوں گی تو اپنی اولاد کے بعض حقوق کو ضائع کردوں گی اور اگر اولاد پر توجہ کی تو شوہر کا حق ادا نہ کرپاؤں گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا یہ عذر قبول فرمالیا اور اولاد کے لئے فارغ رہنے کے ان کے اس جذبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، آپ ﷺ کا ایک خاتون کے ساتھ یہ رویہ تھا، جبکہ عظیم فتحیابی فتح مکہ کی زبردست فتح کے موقع سے آپ ایک عظیم فاتح وقائد تھے، اس طرح کے فاتحین کے لئے کسی طرح کے حدود وقیود کوئی معنی نہیں رکھتے تھے، لیکن آپ نے اپنے انسانی جذبات اور ام ہانی کی طرف اپنے میلان کو غالب نہیں آنے دیا، اس سے پہلے بھی آپ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ام ہانی کیلئے ان کے والد ابوطالب کو پیغام دیا تھا جبکہ بنی مخزوم میں ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، لیکن اس وقت حضرت ابوطالب نے جو آپ کے چچا بھی تھے یہ کہہ کر معذرت کرلی تھی کہ انہوں نے بنی مخزوم سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ ان میں ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی سے بیاہ دیں گے، ابوطالب نے آپ سے کہا کہ اے بھتیجے! ہم نے ان سے رشتے کی بات کرلی ہے اور شرفاء باہم شرافت سے ہی پیش آتے ہیں، رسول فاتح نے اپنے انسانی جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ام ہانی کی شخصی آزادی کا احترام کیا، ان کی تعریف فرمائی، ایک عورت کے معاشرتی عادت واطوار، حریت وآزادی میں ان کی بالغ نظر کو سراہا جس کی آپ کی شخصیت سے نمائندگی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں، جو اپنے چھوٹے بچوں پر انتہائی شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے حقوق کی خوب خوب دیکھ ریکھ کرتی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ بت ابوبکر صدیق (۹ق ھ-۵۸ھ، ۱۳ء-۶۷۸ء) جو ازواج مطہرات اور امہات المومنین میں سے ہیں، عورتوں کی آزادی کے اسلامی تصور کی شاہکار ہیں، یہ آپ ﷺ کی چہیتی بیوی اور ایک انتہائی باذوق خاتون تھیں، آپ

حدیث کی راویہ اور حافظہ ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھیں، قراء، راویان حدیث، فقہاء اور مجتہدین سبھی آپ سے استفادہ کرتے، عوامی مسائل پر آپ اپنی آراء سے نوازتیں، آپ ان فنون سے دلچسپی رکھتی تھیں، حبشی فنکار مسجد نبوی کے اندر پیش کیا کرتے تھے، غزوات اور جہاد کے سفر میں اپنے شوہر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دوڑ کی ورزش بھی کیا کرتی تھیں، علاوہ ازیں انہوں نے عظیم فتنہ کے دور میں سیاسی معرکہ آرائی میں بھی حصہ لیا جس کے اندر جنگ تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

☆ حضرت حفصہ بن عمر بن الخطاب جو زوجہ مطہرہ اور ام المومنین ہیں ۱۸ق ھ-۴۵، ۶۴۰-۶۶۵ء) جو عورت کے تئیں اسلامی تصور کا روشن باب ہیں، مکہ میں پہلے پہل اسلام لانے والیوں میں ہیں اور حالت ایمان میں مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئیں، فصیح الکلام شاعرہ اور خطیبہ اور حدیث کی روایہ ہیں، جس وقت مسلمان حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن کریم کے متفرق حصے کو جمع کر رہے تھے اس وقت امت نے ان کے جمع کردہ قرآن پر اعتماد کیا، انہوں نے قرآن کریم کو جمع کر کے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کے حوالہ کیا جس سے مختلف شہروں میں تقسیم کئے گئے قرآن نسخوں کی اصلاح کی گئی۔

انہوں نے اپنے والد حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد امت کے شورائی نظام کو چلانے کے سلسلہ میں اپنی آراء پیش کیں اور نثر وشعر کے اندر اپنے والد بزرگوار کا مرثیہ کہا، لوگوں کے سامنے حضرت ابوبکر وعمر کے فضائل بیان کئے، خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں شورائیت کا اسلامی طریقہ کے علاوہ خلفاء اور امت کے لوگوں کے درمیان معاہدے پر مبنی بیعت پر گفتگو کی۔

☆ حضرت نسیبہ بنت کوب انصاریہ جن کی کنیت ام عمارہ ہے (۱۳ھ، ۶۴۳ء) عورتوں کو

دراصل اسلامی آزادی کی ماہ کامل ہیں، انہوں نے ۲ق ھ، ۶۲۰ء میں بیعت عقبہ میں شرکت کی جو روئے زمین پر پہلی اسلامی حکومت کے بنیادی ارکان پر مشتمل جماعت تھی، اسلام اور اس کے ذریعہ عطا کی گئی آزادی کے زیر سایہ آج سے چودہ سو سال پہلے چوٹی کی سیاسی ذمہ داریوں میں حصہ لیا، صلح حدیبیہ کے سال ۶ ھ، ۶۲۸ء میں درخت کے نیچے جنگ وقتال پر بیعت رضوان میں حصہ لیا یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب یہ خبر پھیل گئی مسلمانوں کی جانب سے مکہ بھیجے گئے نمائندے حضرت عثمان بن عفان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت ام عمارہ اور ان کے بیعت میں شریک ہونے والے مرد وعورت کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، ارشاد باری تعالی ہے:

"لقد رضی الله عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فأنزل السکینة علیهم وأثابهم فتحاً قریباً" (فتح:۱۸) (یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے مجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی)۔

"إن الذین یبایعونک إنما یبایعون الله ید الله فوق أیدیهم فمن نکث فإنما ینکث علی نفسه ومن أوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه أجراً عظیماً" (فتح:۱۰) (جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جو شخص عہد شکنی کرے گا تو وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا)۔

حضرت ام عمارہ خدا سے کئے گئے اس معاہدے کی پاسداری کی، چنانچہ احد کے دن جب مسلمان ہزیمت سے دوچار ہونے لگے اور بہت سے مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، مشرکین مکہ کے سامنے ڈٹ جانے والوں کی تعداد دس سے بھی کم تھی ان میں ام عمارہ بھی تھیں، انہیں لوگوں نے اللہ کے رسول کو قتل ہونے سے بچایا، اس دن آپ ﷺ نے جبکہ آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے اور چہرہ انور سے خون بہہ رہا تھا، ام عمارہ کو دیکھا کہ وہ پائنچا چڑھائے دوپٹہ کمر پر باندھے ہوئیں ہیں، اور آپ ﷺ کے دفاع میں برسر پیکار ہیں، اور ابن قمیئہ سے مورچہ لے رہی ہیں جو آپ ﷺ کی طرف یہ کہتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا کہ محمد کہاں ہو؟ اگر وار کامیاب ہوا تو نہیں بچو گے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ ''ابن قمیئہ'' کے نیزوں کے جو وار آپ پر ہو رہے تھے انہیں وہ اپنے کندھے پر روک رہی تھیں، ان کی والدہ جو ان کے ساتھ تھیں ان کے زخموں پر پٹی باندھ رہی تھیں، اس جنگ میں ام عمارہ کا ایک بیٹا بھی شریک تھا جس کے زخم سے خون بہہ رہا تھا، ام عمارہ نے اس کے زخم پر پٹی باندھی پھر اسے جنگ کے لئے کھڑا کر دیا جب ان کے کندھے پر کاری ضرب پڑی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بیٹے کو پکارا کہ اپنی ماں کی خبر گیری کرو، اور اس کے زخم پر پٹی باندھو، اہل بیت کی جانب سے تم پر خدا تعالی برکتوں کی سوغات نازل فرمائے، پھر آپ ﷺ نے فرار ہونے والوں میں سے ایک صحابی کو آواز دی کہ وہ ام عمارہ کو اپنی ڈھال دیدیں جس سے وہ بچاؤ کر سکیں اور پھر حضرت ام عمارہ سے خوشگوار حیرت کے ساتھ فرمایا:

''اے ام عمارہ! تم جیسی ہمت کس میں ہے؟ نسیبہ بنت کعب کا مقام فلاں فلاں سے بڑھا ہوا ہے، میں نے دائیں بائیں جس طرف بھی دیکھا اسے میں اپنی دفاع میں

برسر پیکار پاتا''۔

حضرت ام عمارہ کا حال یہ تھا کہ وہ اسی دن میدان جنگ سے روانہ کردی گئیں ان کے جسم پر تیرہ زخم لگے تھے اس وقت انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ خدا سے دعا کردیں کہ جنت میں ہم آپ کے ساتھ ہوں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''بارالہ انہیں میرے رفقاء جنت میں سے بنادے، اس پر حضرت ام عمارہ نے کہا کہ دنیا میں جو مصیبتیں مجھے لاحق ہوئیں اس دعا کے بعد مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں، رسول قائد ﷺ کی جب مدینہ منورہ واپسی تشریف آوری ہوئی تو آپ اپنے گھر جانے سے پہلے ام عمارہ کے گھر عیادت ودلجوئی کے لئے تشریف لے گئے۔

اسلام کے اندر خواتین اسلام کو حاصل آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئیں اور ان باتوں پر احتجاج کیا جنہیں وہ عورتوں پر مردوں کی فوقیت تصور کرتی تھیں، چنانچہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ سب کچھ مردوں کے لئے ہے عورتوں کا کوئی نام ہی ذکر نہیں ہے، اسی وقت اللہ کے رسول پر جبرئیل امین وحی لے کر نازل ہوئے جس میں لفظوں کی صراحت کے ساتھ مرد وعورت کو یکساں قرار دیا گیا ہے:

''**إن المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات والقانتين والقانتات والصادقين والصادقات والصابرين والصابرات والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات والحافظين فروجهم والحافظات أعد الله لهم مغفرة وأجراً عظيماً**'' (احزاب:۳۵) (بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں،

راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنے شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ تعالی نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)۔

حضرت ام عمارہ نے جہاد کا سلسلہ جاری رکھا اور خیبر (۷ھ-۶۲۸ء، حنین ۸ھ-۸۶۰ء) کی جنگوں میں حصہ لیا ان کے علاوہ جنگ یمامہ (۱۲ھ-۶۳۳ء) میں فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف معرکوں میں شریک ہوئیں اس جنگ کے موقع سے ان کے بیٹے حبیب بن زید بن عاصم شہید کر دیئے گئے، ان کی نعش مسیلمہ کذاب نے مثلہ کیا اس جنگ کے اندر ام عمارہ کا ایک ہاتھ بھی کام آیا وہ جس وقت مدینے لوٹیں ان کے بدن پر گیارہ زخم تھے، اس موقع سے ان کی عیادت کے لئے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر ان کے گھر تشریف لے گئے۔

☆ حضرت اسماء بنت یزید سکن انصاریہ (۳۰ھ، ۶۵۰ء) جو اسلام کی عورتوں کو عطا کردہ آزادی ایک دوسری روشن مثال اور آزادی کے موضوع پر زریں عنوان ہیں، اولین اسلامی حکومت کی داغ بیل کے معاہدے بیعت عقبہ (۲ق ھ، ۶۲۰ء) میں حضرت ام عمارہ کے ساتھ شریک تھیں، جنگ یرموک (۱۵ھ، ۶۳۶ء) کے اندر فتوحات شام کے جہاد میں حصہ لیا اور اپنے خیمے کی لکڑی سے نو رومیوں کو واصل جہنم کیا، وہ انتہائی دیندار با حکمت فہم و فراست کی حامل خاتون تھیں اور ایسی فصیح اللسان مقررہ کہ دوران تقریر منبر کی لکڑیوں میں ارتعاش پیدا کر دیں، انہوں نے عورتوں کو اکٹھا کر کے ان

کے حقوق کے مطالبے کی قیادت کی احادیث اور سیرت کی کتابوں میں انہیں وافدۃ النساء (عورتوں کی نمائندہ) کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی خواتین کے حقوق کے مطالبے کی قائد نمائندہ، انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا، کیونکہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مسجد میں مسلمان خواتین کے ترجمان کی حیثیت سے گئیں اور عرض کیا کہ میں اپنے پیچھے مسلمان خواتین کی نمائندہ ہوں ان کا بھی وہی کہنا ہے جو میں کہہ رہی ہوں اور میرے اس خیال سے متفق ہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو مردوں اور عورتوں کے لئے مبعوث کیا ہے جب کہ مردوں نے آپ پر اپنا تسلط جمار کھا ہے آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے دن مقرر کر دیں جن میں آپ ہمیں تعلیم فرمائیں گے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لئے دن مقرر کئے جانے کا وعدہ کرلیا، جن میں آپ ان سے وعظ ونصیحت کے لئے ملاقات کرتے اور حکم دیتے، انہوں نے آپ ﷺ سے اسّی سے زائد حدیثیں روایت کی ہیں۔

یہ تو بطور مثال پیش کئے گئے ان نمونوں کی محض ایک جھلک ہیں جسے اسلام کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچنے والی آزادی نسواں کے طرز فکر نے عملی شکل دی ہے، وہ بھی اس وقت جبکہ بعثت نبوی کی کرنیں ابھی زمین پر پڑی ہی تھیں اور اسلامی تہذیب کا سورج طلوع ہی ہوا تھا۔

اگر یہ واقعاتی خاکے آزادی نسواں کے اسلامی طرز فکر پر سچی گواہی دے رہے ہیں تو پھر وہ وسیع دائرہ اثر جہاں تک اس آزادی کی لہریں پہنچیں اس فیض عام کا پتہ دے گا جو خواتین کی اس آزادی کا مظہر ہے۔

چنانچہ جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا (۱۱ھ، ۶۳۲ء) اس وقت امت مسلمہ کی کل تعداد مرد وعورت پر مشتمل ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی جو اس نئے دین میں داخل ہوئے تھے اور نومولود حکومت کی رعیت شمار کئے جاتے تھے۔ جب علماء سیر وتراجم نے درسگاہ نبوی کے تربیت

یافتہ نابغۂ روزگار چیدہ ومنتخب شخصیات کو جمع کیا تو لگ بھگ آٹھ ہزار ممتاز ترین شخصیات کی فہرست تیار ہوئی جس میں خواتین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، جس کا سیدھا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ آزادی نسواں کے اسلامی طرز فکر نے خواتین کو قیادت ورہنمائی کے مراکز کی جانب آگے بڑھایا ہے اور ان چیدہ اور منتخب افراد کے ہر آٹھ میں ایک سے زیادہ عورت کی شراکت داری تھی جب کہ آزادی نسواں کے انقلاب کو رونما ہوئے ابھی چوتھائی صدی بھی نہیں ہوئے تھے عورتوں کے رہنما بننے کا یہ تناسب آزادی نسواں کے کسی بھی انقلاب یا بیداری سے کہیں زیادہ ہے۔

اگر چہ جہالت کے تیز وتند لہروں نے بعض ان رسم ورواج اور طور طریقوں کو از سر نو رائج کر دیا ہے جو ماضی میں اسلام سے پہلے معاشرے کے اندر رائج تھیں لیکن یہ رسوم اور طریقے آزادی نسواں کے اسلامی تصور کے کامیابیوں اور اپنی کوششوں کے باوجود غلبہ حاصل نہ کر سکے اس آزادی کی روح اور اس کے مثبت نتائج تہذیبی انحطاط کے زمانے تک پائے جاتے رہے جو عالم اسلام کو غلاموں اور عثمانیوں کے عہد حکومت میں حکومتی افواج کے زیر سایہ لاحق ہوا، ہماری اسلامی معاشرتی زندگی محدثہ، فقیہہ، شاعرہ، ادیبہ خواتین سے بھری پڑی ہے، ان خواتین کے علمی مقام ومرتبے کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے ائمہ فقہاء ومحدثین حفاظ حدیث اور مجددین ملت ان کے سامنے زانوتلمذ تہہ کیا ہے اور ان سے علمی اسناد حاصل کی ہیں۔

جب مورخ وسوانح نگار عمر رضا ۱۳۳۲ھ-۱۴۰۸-۱۹۸۷ء نے ان لائق وفائق مشہور خاتون شخصیات کے حالات زندگی کو جمع کیا، جنہوں نے ہماری ثقافتی تاریخ کے اندر اعلی شخصیات کی صف میں اپنی جگہ بنائی ہے تو صرف سرزمین عرب کے اندر خواتین کی تین ہزار اعلی ترین شخصیات کے حالات زندگی جمع ہو گئے جبکہ عالم عرب عالم اسلام کا محض پانچواں حصہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہماری ثقافتی تاریخ کے اندر چیدہ وسرکردہ خواتین کی تعداد عہد نبوی میں ان کے تناسب کو دیکھتے ہوئے کہیں زیادہ ہونی چاہئے تھی لیکن یہ تعداد بہر حال آزادی نسواں کے

اسلامی طرز فکر پر بے داغ شہادت اور اسلامی تہذیب کے سینے پر نشانہ امتیاز ہے جس کی بنیاد پر اسے دوسری تمام تہذیبوں پر فخر امتیاز حاصل ہے۔

اس اسلامی طرز فکر نے جمود کے شکار رسم ورواج اور معاشرتی عادت واطوار کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے جو تہذیبی زوال کے دور میں از سر نو پنپنے لگیں، اسلامی فکر پوری اسلامی تاریخ کے اندر عملی شکل میں باقی رہی ہے اور پھر اس جدید اسلامی احیاء وتجدید کے مکتبہ فکر کے مجتہدانہ سرگرمیوں کے ذریعہ اپنے امتیازی اوصاف کو بے غبار ومزین کر کے از سر نو پیش کرنے کے لئے کمر بستہ ہے۔

تہذیبی اختراع کے مختلف شعبوں میں اسلام کو زندہ کرنے کا کام اسلامی تہذیب نے کیا ہے، کیونکہ تہذیب وثقافت کے ان شعبوں کو زندہ رکھنے ہی کا نام اسلام ہے، ''**یا أیها الذین آمنوا استجیبوا لله وللرسول إذا دعاکم لما یحییکم**'' (انفال:۲۴) (اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلا رہے ہوں)۔

اسی اسلامی تہذیب نے مختلف علوم کے اندر سرکردہ علمی شخصیات دنیا کو دی ہیں جن میں فلکیات، سائنس، الجبراء، ریاضی، انجینئرنگ، ورزش، صحت وطب اور دواسازی...الخ، سارے علوم شامل ہیں جبکہ اسلام آئے ہوئے ابھی ایک صدی بھی پوری نہیں ہوئی تھی، جبکہ علوم شرعیہ، انسانی وسماجی علوم وادب، فن وادب ان علوم کے علاوہ ہیں، عین ہیئت زدہ یورپ کے اندر مسیحی تہذیب نے چھ صدیوں میں کسی ایک ماہر فلکیات کی صورت نہیں دیکھی تھی بلکہ ماہر فلکیات کوبرنیکس (۱۴۷۳-۱۵۴۳) سے عیسائی یورپ کو سولہویں صدی میں واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ عیسائی اقتدار، چرچ اور اس کے لاہوتی نظریے نے اسے اپنی کتاب کو اپنی زندگی میں شائع کرنے کی اجازت نہیں دی، اس کی یہ کتاب جب اس کی وفات کے بعد شائع ہوئی تو چرچ نے اس کی تقسیم پر پابندی عائد کردی اور اس طرح ۱۷۵۸ء تک یہ کتاب حکم امتناع کے تحت قابل ضبط

رہی، یورپ کے اندر علم ملکیات اور دوسرے علوم کی ترقی اور خود یورپ میں بسے انسانوں کی آزادی عیسائی مذہب کے غلبہ وتسلط کی خلاف ورزی کی ہی صورت میں ممکن ہوسکی۔

اور یہی صورت حال یورپ کے عیسائی تہذیب کے اندر عورت کی حالت زار کی تھی، اسے کم تر اور حقیر نظر سے دیکھنا یورپ کے اندر ایک عام بات تھی، کیونکہ وہ ان کی نظروں میں کبھی پاک نہ ہونے والی گندگی، بے روح شیطانی سراپا اور روئے زمین پر اس شیطانی گمراہی کی بقا کا سرچشمہ تھی جس نے انسانوں میں گناہ کی روایت کو جنم دیا اور جس کا ارتکاب انسانیت اپنی طویل انسانی تاریخ کے اندر کرتی رہی ہے، جبکہ دوسری طرف مذہب اسلام پر ایمان اور اس کے مطابق دین کی دعوت کا شورائی نظام ان تمام کے ابتداء ایک عورت حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ذریعہ ہوئی، شہداء اسلام کے کارواں کی ابتدائی کڑی بھی ایک خاتون حضرت سمیہ بنت خباط ہیں، ۷ ق ھ-۶۵۱ء جو حضرت عمار بن یاسر کی ماں ہیں، اسلامی علوم از ابتداء تا انتہاء اپنے طویل تاریخ کے اندر خواتین کے قائدانہ کردار سے واقف ہیں، جبکہ عیسائی تہذیب کا عالم یہ ہے کہ اس کا لاہوتی نظام عیسائیت کے اندر کسی خاتون اہل علم سے یکسر نا آشنا ہے، کتھولک چرچ نے تو آج بھی عورت کو شرف قیادت سے محروم کر رکھا ہے۔

اگر ہم عورت کی اس صورت حال کی بات کریں جسے یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی زبان میں آزادی نسواں کا نام دیا جاتا ہے تو یہ عیسائی مذہب و چرچ اور اس کے لاہوتی نظام کے خلاف علم اور اہل علم کی آزادی کے بعد اسی طرز پر آزادی نسواں کے نام پر ایک دوسری بغاوت ہے جو عورت کو مذہب کے ذریعہ آزاد کرانے کے بجائے مذہب سے ہی عورت کو آزاد کر دیتا ہے۔

اسی بنا پر مذہب اسلام کے پیروکاروں کا فکری رجحان یہ ہے کہ یورپ کی اس دوسری مغربی فکر آزادی نسواں کے دام فریب میں آنے سے مسلم معاشرے کو بچایا جائے یہی وہ دام ہے جس کے فریب میں آنے سے ہمارے رسول نبی کریم ﷺ نے ہمیں اسی وقت ڈرایا تھا جب

انہوں نے اس فکری نہج کے ظاہر ہونے اور سامنے آنے کی پیشین گوئی فرمائی تھی جس کی پیروی کرنے والوں کے ہاتھ صرف مایوسی لگتی ہے، ''تم ضرور اپنے ماقبل لوگوں کی پیروی کروگے ہاتھ در ہاتھ بالشت در بالشت حتی کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھس جائیں گے تو تم بھی جا گھسو گے'' (بروایت ابن ماجہ)۔

خواہ یہ تقلید مغرب کے ناپید فکری نہج کی تقلید ہو جس نے عورت کو ایک حقیر شئ سمجھا اور صدیوں تک اس کی توانائیوں اور صلاحیتوں کو جاہلانہ رسوم اور طور طریقوں کے دام فریب میں جکڑے رکھا یا وہ یورپ کے غلو پسند سیکولر طبقے کی پیرو ہو جس نے عورت کو صنفی جذبات کی برانگیختگی کا سامان اور دعوت حسن کا عنوان بنا دیا ہے اور ایسا اشتہار جو لوگوں کو شوق و رغبت اور استعمال پر ابھارے۔ اس عورت کی آزادی نے دین فطرت سے اس کی آزادی کی شکل اختیار کر لی، یا وہ تقلید خود ہمارے جاہلانہ عادات واطوار کی ہو جو امت مسلمہ کے تہذیبی انحطاط کے دور میں امت کے اندر از سر نو پنپنے لگی ہیں (یہ سب کے سب اسی زمرے میں آتے ہیں جسے بچنے کی حدیث نبوی میں تلقین کی گئی ہے)۔

یہ کتاب آزادی نسواں کے موضوع پر میانہ رو دینی فکری منہج کو پیش کرنے، اور اس نہج پر مسلمانوں اور سیکولر طبقے کو غلو پسند افراد کی جانب سے کئے جانے والے شکوک وشبہات کے ازالے کی غرض سے پیش کی جارہی ہے۔

خدا تعالی سے ہماری دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو لوگوں کے لئے سودمند بنائے دست سوال دراز کرنے کے لئے موزوں ترین ذات اسی کی ذات اقدس ہے جو قبولیت سے شرف یاب کرنے والی ہے۔

پہلا باب

عورتوں کے اندر اجتماعی امور میں شرکت کی اہلیت

۱-اجتماعی امور میں عورت کی شرکت

۲-نسواں تحریک جدوجہد

۳-شرعی اصول ''سد باب'' کی متوازن عملی شکل

۱-اجتماعی امور میں عورت کی شرکت

مذہب اسلام ایک ایسا فطری مذہب ہے جس کے مطابق اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، "**فأقم وجهک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن أکثر الناس لا یعلمون**" (سورہ روم: ۳) (پس آپ یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ ہو جائیں اللہ تعالی کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالی کے بنائے کو بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے)۔

خدا تعالی نے انسانوں کو جن فطری بنیادوں پر پیدا کیا ہے، وہ بنیادیں انسانی تمدن ومعاشرت کے اندر مختلف زمانوں اور علاقوں میں انحراف اور غتر بود کا شکار ہوئی ہیں، یہ صورتحال ہر تہذیب ومذہب اور فکر وفلسفے کے اندر پائی جاتی رہی ہے مثال کے طور پر انسان کا تن تنہا کنارہ کشی کی زندگی اختیار کر کے خوشیوں بھری کامیاب زندگی گذار پانا ایک انہونی ہے، ایک انسان کے لئے معاشرتی اور اجتماعی زندگی سے دور رہ کر باہمی شرکت واستفادے کی روش اختیار کئے بغیر زندگی کی ناگزیر ضرورتوں تک رسائی ناممکن ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ زندگی کی عام ضرورتوں اور زندگی کو پر کیف بنانے والی سہولتوں کے بارے میں سوچ، زندگی کی اسی بنیادی حقیقت کے پیش نظر رہبانیت انسانی معاشرے کے خدائی فطری نظام سے انحراف قرار پائی، باوجودیکہ رہبانیت کا بھی ایک محدود معاشرہ ہوتا ہے، "**أو رهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم الابتغاء رضوا ن الله فما رعوها حق رعایتها**" (ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے خود ایجاد کر لی تھی ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی)۔

اسلام کے اندر رہبانیت (ترک دنیا) کا تصور راہ خدا میں جہاد کے اندر پایا جاتا ہے جو ملی ومعاشرتی سطح پر مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ذریعہ اشتراک عمل کے ذریعہ ہی انجام پاتا ہے، شورائیت جو اہل ایمان کی ایک مؤمنانہ صفت ہے، "**وأمرهم شورى بينهم**" (شوری:۳۷) (اوران کا ہر کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے)۔

اجتماعی عمل کے بغیر اس کا وجود ہی ممکن نہیں، امت مسلمہ جس کا اطلاق اہل ایمان کی جماعت اور مسلم معاشرے پر ہوتا ہے، اسے لغزشوں اور خطاؤں سے پاک وصاف ہونے درجۂ معصومیت حاصل ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت کردہ نبی ﷺ کی اس روایت میں ہے: "**إن أمتي لا تجتمع على ضلالة**" (میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی)۔

اس طرح امت جو اہل ایمان کی جماعت اور مسلم معاشرے اور اشتراک عمل کا نام ہے، اس کی یہ اجتماعیت رشد وہدایت اور یقین کا راستہ قرار پائی جس پر چلنے والی انسان کو سکون بھری خوش وخرم زندگی میسر آتی ہے۔

کوئی بھی معاشرہ ہو اس کے تحت زندگی بسر کرنے والی قوم اور انسانی گروہ مرد وعورت کے ذریعہ ہی وجود میں آتا ہے اور مرد وعورت کی یہ دو علاحدہ صنفی خصوصیات ایک ہی بنیادی سرچشمہ سے پھوٹی ہیں جیسا کہ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"**يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث عنهما رجالاً كثيراً ونساء**" (نساء:۱)۔

"**وهو الذى أنشأكم من نفس واحدة فمستقر ومستودع قد فصلنا الآيات لقوم يفقهون**" (انعام:۹۸) (اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی بے شک ہم نے دلائل خوف کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں ان کے لئے جو سوجھ بوجھ رکھتے ہیں)

پھر خدا تعالی کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ان دونوں صنفوں کے مابین فطری روابط ہی دراصل تخلیقی مساوات اور عزت وشرافت کے لئے اندر برابری کا پیش خیمہ ہیں: "**ولقد کرمنا بنی آدم حملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً**" (اسراء:۷۰) (یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بہت عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی)۔

عاید شدہ ذمہ داریوں کے اندر بھی یہ فطری روابط مساوات کا مظہر ہیں، "**وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون**" (ذاریات:۵۶) (ہم جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے)۔

مزید برآں اجتماعی امور کی انجام دہی میں باہمی شرکت واستفادے، سزا وجزاء کے اندر بھی اس مساوات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کی رہنما ہدایات کے اندر باہمی شرکت واستفادے کے جن دائرے کار سے بحث کی گئی ہے ان میں سے پہلا خاندانی دائرہ کار ہے جو تعمیر ملت کی پہلی اینٹ اور انسانی زندگی کی بنیادی اکائی ہے جہاں سے انسانی معاشرے کی ابتداء ہوتی ہے، باہمی شرکت واستفادے کے اس دائرہ کار کے تحت قرآن کریم نے اس پختہ اور فطری معاہدے سے بحث کی ہے جو مرد وزن کو ازدواجی رشتہ کے ذریعہ جوڑتا ہے، "**وقد أفضی بعضکم إلی بعض وأخذن منکم میثاقاً غلیظاً**" (نساء:۲۱) (حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد وپیمان لے رکھا ہے)۔

یہ معاہدہ پختہ اور مضبوط کیونکر نہ ہوگا جب کہ بیوی اپنے شوہر کے لئے سکون وراحت کا سامان ہوتی ہے، شوہر سے اس کا رشتہ محبت اور دلی لگاؤ پر مبنی ہوتا ہے، "**ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیها وجعل بینکم مودة ورحمة إن فی ذلک**

لآیات لقوم یتفکرون" (روم:۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینے سے متعلق ارشاد قرآنی ہے: "**ھن لباس لکم وأنتم لباس لھن**" (بقرہ:۱۸۷) (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)۔

اجتماعی مشورے کی بنیاد پر قائم خانگی نظام کے قیام کے تعلق ایک دوسری آیت کریمہ کے اندر رہنمائی اور ہدایت کی گئی ہے، جس سے خاندان کے جملہ افراد ایک دوسرے سے باہم مستفید ہوتے ہیں۔

"**والوالدات یرضعن أولاھن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس إلا وسعھا لاتضار والدة بولدھا ولا مولود له بولده وعلی الوارث مثل ذلک فإن أرادا فصالاً عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیکم إذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف واتقوا الله واعلموا أن الله بما تعملون بصیر**" (سورہ بقرہ:۲۳۳) (مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں، جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو ہر شخص اتنا ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی کہ اس کی طاقت ہو ماں کو اس بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو مطابق دستور جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کردو اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تمہارے کئے کو دیکھ رہا ہے)۔

اسی طرح قرآن کریم نے میاں بیوی کے درمیان حقوق وواجبات کے اندر یکسانیت کی بات کہی ہے، "**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة والله عزیز حکیم**" (بقرہ:۲۲۸) (اور عورتوں کے بھی ایسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالی غالب ہے حکمت والا ہے)۔

یہاں قرآنی سیاق وسباق اس بات پر دال ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں حد درجہ باہمی شرکت واستفادے کی بات کہی گئی ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ سترہ آیتوں کے ذیل میں وارد ہوئی ہے اور ان تمام آیتوں کا تعلق خانگی نظام اور اس سے متعلق احکام کی بحث سے ہے، سورہ بقرہ کی آیت نمبر:۲۲۱، سے ۲۳۷ تک کی آیات نکاح پیغام نکاح زندگی کی گذر بسر، مباشرت، حیض، طہارت، رضاعت، مدت رضاعت، ایلاء، طلاق اور عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اندر جس یکسانیت سے بحث کی گئی ہے اس سے مراد مرد اور عورت کے مابین یکسانیت نہیں ہے، کیونکہ خدا تعالی کی قدرت کاملہ انہیں اپنی صنفی خصوصیات کے اندر ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے، "**ولیس الذکر کالأنثی**" (آل عمران:۳۶) (اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں)، بلکہ یہ یکسانیت زوجین کے درمیان خانگی معاشرت میں، حقوق وواجبات کے اندر ہے بایں طور کہ زوجین شرکت کے حقوق وواجبات کو باہمی شرکت عمل کے ذریعہ متحدہ ذمہ داریوں کا ایک بوجھ بنا دیا گیا ہے، اس آیت کریمہ کے اندر یکسانیت کے مفہوم کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بھی موجود ہے کہ "مجھے اپنی بیوی کے لئے بننا سنورنا ویسے ہی پسند ہے جیسا کہ میرے لئے اس کا بننا سنورنا پسند ہے"۔

چنانچہ خانگی امور کے اندر فریقین کی امور کی انجام دہی میں ذاتی وباہمی شرکت وحصہ داری ہم آہنگ کارکردگی اور باہمی خانگی وہم آہنگی ایک عام سی بات ہے جو ہر خاندان ومعاشرہ کے اندر پائی جاتی ہے، اور جو شوہر کو بیوی کا اور بیوی کو شوہر کا لباس بنا دیتی ہے، اسی بنیاد پر قرآنی

لفظ درجہ (برتری) جو مردوں کو عورتوں پر ہوتا ہے اس کی راجح ترین تفسیر یہ ہے کہ اس برتری کا تعلق خانگی اخراجات برداشت کرنے سے ہے جو مردوں کو ان کی طبعی خصوصیتوں کی بنا پر خاندان ومعاشرہ کی قیادت وذمہ داری کا اہل بنانے کی بنیادی اور فطری وجہ ہے۔

اور جبکہ مرد وزن کے درمیان اس مساوات کا تعلق حقوق وواجبات کے اندر باہمی حصہ داری ہے مرد وعورت کے صنفی خصوصیات سے نہیں، تو پھر یہ یکسانیت فریقین کے درمیان صنفی طور پر ان کے اس باہمی فطری فرق کو مٹائے بغیر ہم آہنگ مساوات قائم کرسکتا ہے جو ایک دوسرے کی جانب ان کے میلان کی بنیاد ہے، ساتھ ہی ہر فریق کی صنفی مراد برآنے کی بنیادی علت بھی ہے جس کی بنا پر وہ اپنے صنفی خصوصیات کے اندر دوسرے فریق سے جدا وممتاز ہوتا ہے اس طرح یہ یکسانیت دو یکساں ہم مثل فریقوں کے درمیان نہ ہوکر دو ہم آہنگ صنفوں کے درمیان ہے۔

قرآن کریم نے یہ بات متعین طور پر بتادی ہے کہ زنانہ صنف پر مردانہ صنف کو برتری کا درجہ حاصل ہے، "**وللرجال علیهن درجة**" (بقرہ:۲۲۸) (اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے)، دراصل مردوں کو حاصل اس برتری کا تعلق بڑھی ہوئی ذمہ داری اور اضافی امور کی انجام دہی سے ہے، دوسرے لفظوں میں یہ برتری صفت قوام سے متعلق ہے جس کا مفہوم اضافی امور اور انتہائی محنت ومشقت والے کاموں کی مسلسل انجام دی ہے، "**الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم**" (نساء:۳۴) (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

صفت قوام کی یہ برتری ہر مرد کو ہر عورت پر اور ہر شوہر کو ہر بیوی پر حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ مردوں کی اکثریت کو عورتوں کی اکثریت پر حاصل ہے، یہ برتری اس فطری فرق کی وجہ سے جو متعین خانگی شعبوں کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں انسانی خلقت، توانائی اور فنی مہارتوں کے

اندر پایا جاتا ہے، چنانچہ مردوں کی صفت قوام میں ان کی برتری کا سرچشمہ دونوں صنفوں کے درمیان تقسیم عمل ہے نہ کہ کسی صنف کی کسی کام پر اجارہ داری ہے، اور نہ ہی دوسرے صنف کے برعکس کسی صنف پر عملی زندگی کے کسی شعبہ کا دروازہ مکمل طور پر بند کرنے کی کوشش؛ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مرد ان کاموں میں ماہر ہو جاتے ہیں جن میں عادتاً عورتیں مردوں سے زیادہ ماہر ہوتی ہیں اور بسا اوقات عورتیں بعض ایسے کاموں میں طاق ہو جاتی ہیں جو اپنی خلقت کے اعتبار سے اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ان میں مردوں کو مہارت حاصل کرنا چاہئے، لیکن یہ استثنائی صورت حال ہے اور اس استثناء کا پایا جانا ہی موجودہ ضابطہ کی توثیق کرتا ہے، وہ ضابطہ یہ ہے کہ مرد وعورت کے درمیان فطری طور پر صنفی انفرادیت پائی جاتی ہے تاکہ دونوں صنفیں ہم آہنگ ہو سکیں، اور پھر مخصوص صنفی مسرت وآسودگی حاصل ہو ساتھ ہی ان کے درمیان ان کے منفرد صنفی تقاضوں کے مطابق کاموں کی تقسیم عمل میں آسکے۔

چونکہ قوام کا حقیقی مفہوم وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے یہ انفرادی خصوصیت کی حامل عائد شدہ ذمہ داری اور بڑھے ہوئے کام کا بوجھ ہے، جو زندگی کے متعین شعبوں میں قیادت ورہنمائی کے تقاضوں کے تحت فطری اہلیت کی رو سے مردوں پر عائد ہوتی ہے، اس مفہوم کے تحت قوام کی برتری کا درجہ زندگی کے ان شعبوں میں عورتوں کو بھی حاصل ہے جن میں انہیں مردوں سے بھی زیادہ کمال حاصل ہونے کی وجہ سے اس برتری کا اہل قرار دیا جاتا ہے، اس طور پر عورت قوام ہونے کی حیثیت سے محروم نہیں ہے، جو اپنے اندر قائد ونگراں ہونے کا مفہوم رکھتا ہے، اسے ہم دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرد وعورت کے درمیان پایا جانے والا فرق دونوں صنفوں کی مجموعی حیثیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ ان کے جملہ افراد کے مابین فرداً فرداً یہ فرق پایا جاتا ہے، اور پھر برتری کا یہ فرق ان متعین ذمہ داریوں کی حد تک ہے جن کا مرد وعورت کو مکلّف بنایا گیا ہے۔

خاندان کا قیام (جو شادی اس کے بعد اولاد، ان کی تربیت اور اوت کی پہلی اینٹ کی داغ بیل پر مشتمل ہوتا ہے) مرد وعورت دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے ان مرحلہ وار ذمہ داریوں کے پیش نظر خانہ آبادی کے شعبوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے فریقین کی عملی حصہ داری کے درمیان ان کی صنفی خصوصیات سے ہم آہنگ فرق اور تفاوت پایا جاتا ہے، خانہ آبادی کے کچھ شعبے ایسے ہیں جن میں مردوں کی ذمہ داریاں ان کی فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، جبکہ بعض شعبوں میں عورتوں کی ذمہ داریاں ان کی طبعی خصوصیات اور استعداد کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور ذمہ داریوں کی اس کمی بیش میں کام کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے، جو مرد وعورت پر یکساں عائد ہونے والی دینی طرز پر خاندان کی آبادکاری کی ذمہ داری کے تناظر میں درجہ بندی اور تقسیم کے عمل سے گذرتی ہے۔

مرد وعورت کے درمیا انفرادی ہم آہنگی اور ہم آہنگ انفرادیت کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث میں بھی آیا ہے جس میں قیادت ونگرانی اور صفت قوام ہر مرد وعورت کے حق اور ذمہ داری کے طور پر مذکور ہیں جس کے تحت مختلف شعبے آتے ہیں اور مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور یہ ذمہ داریاں خدا تعالی کی مرد وعورت کو ودیعت کردہ فطری خصوصیت ولیاقت کے مطابق ہوتی ہیں، حدیث نبوی ہے:

''تم میں کا ہر ایک اپنی رعیت کا نگراں اور ذمہ دار ہے چنانچہ امیر جو لوگوں کا نگراں ہوتا ہے وہ ان کے سلسلہ میں جواب دہ ہوگا، مرد اپنے اہل خانہ کا نگراں ہوتا ہے وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہوگا، عورت اپنے شوہر کے گھر بار اور اس کے بچوں کی دیکھ ریکھ کی ذمہ دار ہے ان کی بابت وہ جواب دہ ہوگی، اور کسی شخص کا غلام اپنے مالک کے گھر کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس سلسلہ میں وہ جواب دہ ہوگا، سن لو! تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحتوں کا نگراں ہے اور اس سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی'' (بروایت مسلم وبخاری)۔

اب تک یہ گفتگو خاندان کی حد تک مردوعورت کے مابین ذاتی وباہمی شرکت واستفادے کے دائرہ کار سے متعلق تھی۔

مردوعورت کے ذریعہ ذاتی طور پر مل جل کر کام کی انجام دہی کا دوسرا دائرہ کار امت اور مسلم معاشرہ ہے جسے ہم دوسرے لفظوں میں عام معاشرتی امور کی انجام دہی کا دائرہ کار کہہ سکتے ہیں، چونکہ شریعت کی نظر میں معاشرے کے سارے اجتماعی کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے تحت آتے ہیں، جس میں جس طرح کی سماجی ذمہ داری، سیاسی ومعاشرتی اور اقتصادی امور، ادب ولحاظ کے عام تہذیبی طور وطرق، سماجی چال چلن، اخلاق ورسوم ورواج، جیسے اجتماعی رہن سہن سے متعلق امور شامل ہیں اس لئے قرآن کریم نے ان تمام معاشرتی شعبوں کے اندر مردوعورت کے مل جل کر کام کرنے کے اصول کی مشروعیت پر زور دیا ہے، فرمایا: **"والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم"** (توبہ:۷۱) (مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے)۔

امت اور اس کا معاشرتی ڈھانچہ مسلم خاندان کی انتہائی پھیلی ہوئی شکل ہے، اس کی ترجمانی صحیحین میں موجود اس حدیث شریف سے ہوتی ہے: "اہل ایمان کی باہمی محبت، دل وابستگی، اور انسیت کی مثال بدن کی سی ہے کہ بدن کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بخار اور حرارت کے ذریعہ پورا بدن اسے محسوس کرتا ہے"۔

باوجود یکہ امت کی اس اجتماعی شکل کے اجزاء ترکیبی (اعضاء توانائیاں، صلاحیتیں) کے قد وقامت استعداد اور تقاضوں کے اندر فرق ہوتا ہے لیکن یہ باہم مل جل کر کام کرتے اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے ہر طرح کی سماجی کاموں کا سارا بوجھ اٹھاتے ہیں، اس طرح اجتماعی عمل کے اندر ان کی باہمی شرکت پائی جاتی ہے، یا دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں ان سماجی فرائض وذمہ داری کی ادائیگی اجتماعی اہلیتی مساوات کی بنیادوں پر ہوتی ہے اور ادائیگی کا مکلّف پوری امت کو بنایا گیا جس میں مرد وعورت یکساں طور پر شامل ہیں ساتھ ہی مرد وعورت کے فطری وکسبی اہلیت ولیاقت کو سامنے رکھتے ہوئے تمام شعبوں میں حصہ داری کی نوعیت کو مدنظر رکھ کر درجہ بندی بھی عمل میں آتی ہے، اس طور پر اجتماعی عمل مرد وعورت دونوں کا ایک دینی فریضہ بن جاتا ہے جسے وہ باہمی معاونت کے ذریعہ انجام دیتے ہیں، جس کا مشاہدہ ہم خاندانی سطح پر کر سکتے ہیں، اور جوملت کی عمومی اجتماعیت کی ایک محدود اکائی ہے۔

چنانچہ اجتماعی عمل سے متعلق جملہ ذمہ داریاں جن کی ادائیگی 'اجتماعی شرکت بقدر استطاعت' پر مبنی فریضے کے طور پر ہوتی ہے، قرآن کریم نے دنیا کے اندر اس کا مخاطب امت مسلمہ اور اہل ایمان کو بنایا ہے جن میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔

مذہب اسلام پر ایمان لاکر ہی انسان امت اور اہل ایمان کے گروہ میں شامل ہوتا ہے، چناچہ اسلامی تحریک کے ابتدائی دور کے ہی اندر داخلہ کے اس دروازے کو مرد وعورت دونوں کے لئے یکساں طور پر کھولا گیا ہے، جبکہ دخول اسلام کے لئے عورتوں کی بیعت کی علاحدہ شکل مقرر کر دی گئی جس میں مردوں کا بشمول شوہر باپ بھائی چچا جملہ اولیا کے کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا، وہ اس علاحدہ بیعت کے ذریعہ داخل اسلام ہوکر امت کی ایک فرد بن جاتی ہے اور پھر مردوں کے بالکل شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہے۔

"یا أیها النبی إذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی أن لا یشرکن بالله

شيئاً ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن ولا يعصينک فی معروف فبايعهن واستغفرلهن الله إن الله غفور رحيم" (ممتحنہ:۱۲) (اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھ پیروں سے کھڑا لیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کرلیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ تعالی بخشنے اور معاف کرنے والا ہے)۔

آپ ﷺ سے عورتوں کی اس بیعت کے واقعہ نے ان کی عمومی سماجی کارکردگی کے حصہ داری کھلی اجازت پر مہر نبوت ثبت کردی ہے، البتہ تعلیم وتربیت اور علمی سرگرمی کے ذریعہ استعداد وصلاحیت اور فنی مہارت کے بنیادی عناصر سے انہوں نے کس قدر اکتساب کیا ہے اسے ملحوظ رکھا گیا ہے، آپ ﷺ نے عورت کو اجتماعی عمل میں شمولیت کی کھلی اجازت اس وقت بھی دی ہے جب ان سے ایسے امور کے سلسلہ میں بیعت کی جو ان کی استطاعت اور سکت سے باہر نہ ہو۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں حضرت امیمہ بنت رقیقہ فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: بیعت ایسے امور پر ہوگی جو تمہاری سکت سے باہر نہ ہو، چنانچہ اجتماعی عمل کے باب میں جو کچھ بھی عورت کی اور اس کی نسوانی فطرت کی سکت میں ہو اسے اس کی پوری اجازت ہے بشرطیکہ اس کی صنفی خصوصیت کو زک نہ پہنچے اور نہ ہی شریعت کے احکام کی پامالی لازم آئے۔

اجتماعی عمل کے اندر عورتوں کی عملی شرکت پر مبنی اس ضابطہ کے تحت عورت کی پوزیشن ان مردوں کے مساوی ہوجاتی ہے جن کا مرد ہونے کی بنا پر اجتماعی عمل میں شرکت سے رک جانا

شری جواز کے منافی ہے اور نہ ہی انہیں مرد ہونے کی بنا پر شرعی حدود کی خلاف ورزی کی اجازت ہے۔

اصول مساوات اور اجتماعی عمل میں ذاتی و باہمی شرکت کے تعلق سے مرد وعورت کے مقام ومرتبہ کا اگر یہی خاکہ ہے تو پھر عہد نبوی کے سماجی پس منظر میں سنت نبویہ سے ان اصول کی عملی مطابقت کا کسی قدر ذکر ضروری ہے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ سنت نبویہ نے تمام موضوعات کی طرح اس موضوع پر بھی نبوی فرمودات اور عملی نمونے پیش کئے ہیں تاکہ پیغام الٰہی کو عملی شکل میں پیش کیا جا سکے جو جبرئیل امین کے ذریعہ نبی برحق رسول امین ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

اسلام کی ابتداء آخری اور ابدی شریعت کے طور پر غار حرا کے اندر وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی، بالکل ابتدائی مرحلے سے ہی جبکہ ابھی وحی الٰہی آواز اور روشنی کے مرحلے میں تھی اس نئے دین پر عورت کے ایمان لانے اس کی طرف لوگوں کو بلانے، اس کا دفاع کرنے اور اس کے لئے قربانی پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

امت مسلمہ اور اہل ایمان کے گروہ کی ابتداء ایک عورت حضرت خدیجہ بن خویلد (۶۸ - ۳ق ھ، ۵۵۶-۶۲۰ء) سے ہوئی ہے امت مسلمہ کا سراپا وجود انہیں خاتون کی ذات تک محدود تھا، ان کے بعد اول وہلہ میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے مرد وعورت کے ذریعہ اہل ایمان کا دائرہ بڑھنا شروع ہوا، ۲ھ ۶۲۴ میں حضرت رقیہ بنت خدیجہ داخل ایمان ہو کر اپنی ماں کے ساتھ ہو گئیں مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق سب سے پہلے ایمان لے آئے اور نوجوانوں میں حضرت علی بن ابی طالب ۲۳ق ھ: ۴ھ، ۵۷۳-۶۶۱ء حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت خدیجہ دینی دعوت وتبلیغ کی خاص وعام سرگرمیوں میں مسلسل پوری زندگی حصہ لیتی رہیں یہاں تک کہ مالک حقیقی سے جا ملیں، آپ ﷺ نے آپ کے سال وفات کو ''غم کا سال'' کہا ہے، یہ سال غم صرف چند خاص لوگوں کے لئے نہیں تھا بلکہ ہر فرد امت کے لئے غم کا

سال تھا۔

دین کے اندر شہادت اور شہدائے اسلام کا جو بلند مقام و مرتبہ ہے وہ ہمیں ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے: ''**ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ألا خوف عليهم ولا هم يحزنون ، يستبشرون بنعمة من الله وفضل وأن الله لا يضيع أجر المؤمنين**'' (آل عمران:۱۶۹-۱۷۰)۔

(جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں اللہ تعالی نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

حضرت سمیہ بنت خباط ۷ ق ھ، ۶۱۵ء حضرت عمار بن یاسر کی ماں ہیں وہ خاتون ہیں جنہیں امت اور شہدائے اسلام کی پوری تاریخ میں سب سے پہلے جام شہادت نوش فرمانے کا شرف حاصل ہے۔ انہیں کے ذریعہ نئے دین کی نصرت و مدد کے لئے جان و زندگی کی بازی لگانے خون آشام سلسلہ شروع ہوا۔

مکی دور کے اندر طرح طرح سے اہل ایمان کی ناکہ بندی کی گئی اور اڑچنیں پیدا کرنے کی غرض سے نت نئے ہتھکنڈا اپنائے گئے عورتوں نے مردوں کے شانہ بشانہ اس وقت کی عام سماجی سختیوں کو جھیلا جس سے اسلامی تحریک اس ناکہ بندی اور سختیوں کی وجہ سے نبرد آزما تھی۔ ۵ ق ھ میں حبشہ کی جانب ہجرت میں جو کہ دوہری ہجرت تھی تراسی مردوں کے ساتھ اٹھارہ عورتیں بھی شامل تھیں، مشرکین مکہ کی جانب سے مسلمانوں اور ان کے حامیوں کی شعب بنی ہاشم میں تین سالوں تک اقتصادی (ابن عبر لبر الدرفی اختصار المغازی والسیر / ۵۰ تحقیق: ڈاکٹر شوقی ضعیف، مطبوعہ

قاہرہ ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء) اور سماجی ناکہ بندی اور انہیں الگ تھلگ کرنے کی کوشش کے موقع سے عورتیں بھی موجود تھیں جن مشقتوں کا سامنا مردوں نے کیا تھا اس سے عورتیں بھی دوچار ہوئیں بلکہ انہیں بچوں اور معاش کی اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے مردوں سے زیادہ مشقتیں اٹھانی پڑیں۔

اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کا عمل اجتماعی عمل کے باب میں اعلیٰ ترین اعلیٰ ترین آئینی وسیاسی تعاون کے زمرے میں آتا ہے، بیعت عقبہ جو کہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے والی مسلمانوں کی عمومی جمعیت کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے اندر عورتیں بھی شریک تھیں ان پچھتر لوگوں میں جنہوں نے اسلامی مملکت کے قیام پر معاہدہ کیا تھا دو عورتیں بھی شامل تھیں، ایک ام عمارہ نسیب بنت کعب انصاریہ، دوسری ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی انصاریہ ہیں (فتح الباری علامہ ابن حجر ۸/ ۲۲۰)۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ۱ھ، ۶۲۲ھ میں آپ ﷺ کی ہجرت ایک عظیم انقلاب پیش خیمہ ثابت ہوئی، ہجرت کے دوران اور ہجرت کے ذریعہ اسلامی تحریک کو حکومت واقتدار حاصل ہوا اور مسلمانوں کی قلیل سی جماعت کو امت اور معاشرے کی حیثیت حاصل ہوئی، ہجرت کے اس اجتماعی عمل کے اندر عورتیں شریک تھیں، حضرت اسماء بنت ابوبکر (۲۷ ق ھ، ۷۳ھ، ۵۹۷-۶۹۲ء) اور ان کی بہن حضرت عائشہ نے اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا جسے محفوظ ومخفی رکھنے ہی پر اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل موقوف تھا، حضرت اسماء نقطہ انقلاب ثابت ہونے والی اس عظیم واقعہ کی منصوبہ بندی اور اسے عملی شکل دینے میں شریک تھیں۔

خدا تعالیٰ نے ان مظلوموں کو جن پر ظلماً جنگ تھوپی گئی نیز اور جنہیں بے وطن کر کے دین کی خاطر آزمائشوں سے دوچار کیا گیا، جنگ کرنے کی اجازت دیدی اور صرف اجازت پھر فرضیت کا حکم آیا اور اس پر اہل ایمان کو ابھارا گیا، اس حکم کے مخاطب مرد وعورت دونوں ہی یکساں طور پر تھے، کیونکہ دین کی خاطر جس طرح مرد آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے اسی طرح عورتیں بھی

مبتلائے آزمائش ہوئیں اور جس طرح مردوں کو جلاوطن ہونا پڑا بالکل اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے وطن کو خیرآباد کہنا پڑا، چنانچہ من جانب اللہ جنگ کی اجازت وفرضیت ہر ایک کے لئے تھی البتہ اس اجتماعی فریضے کے اندر دونوں صنفوں کے کام اور ذمہ داری کی نوعیت علیحدہ اور مختلف تھی۔

اسلام اجتماعیت کا حامل مذہب ہے اسے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری امت پر عاید ہوتی ہے نہ کہ کسی فرد یا طبقے پر اور نہ ہی عورتوں کے ماسوا مردوں، انسان خواہ مرد ہو یا عورت معاشرت وتمدن اس کی شرست وفطرت کا حصہ اور ضرورت ہوتے ہیں، چنانچہ وہ مشترکہ سماجی ڈھانچہ جس کے اجتماعی عمل کے اندر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں ابتدائے انسانیت سے لے کر آج تک مروج اصولی معاشرہ اور معاشرتی طریقہ رہا ہے بلکہ اس آخری آسمانی دین کی بھی طرز معاشرت یہی ہے۔

چنانچہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں دیکھتے ہیں کہ فرعون کی بیوی فرعون اس کے حواریوں اور فوج کے اجتماعی نوعیت کے کاموں میں دخیل ہے۔

"**وأوحينا إلى أم موسى أن أرضعيه فإذا خفت عليه فألقيه فى اليم ولا تخافى ولا تحزنى إنا رادوه إليک وجاعلوه من المرسلين فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدواً وحزناً إن فرعون وهامان وجنودهما كانوا خاطئين وقالت امرأة فرعون قرة عين لى ولک عسى أن ينفعنا أو نتحذه ولدا وهم لا يشعرون**" (قصص:۷-۹) (ہم موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی خوف یا رنج نہ کرنا ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا کہ آخر کار بچہ ان کا دشمن ہو اور ان کے رنج کا باعث بنا کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار، اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ تو میری اور

تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کر بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنالیں اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے)۔

اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کے معاشرے کے اندر بھی اجتماعی کاموں میں عورتوں کی شرکت ہمیں نظر آتی ہے، مدین کے اندر مرد وعورت چرواہوں کے مابین ہمیں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادیاں بھی نظر آتی ہیں۔

"ولما ورد ماء مدين وجد عليهم أمة من الناس يسقون ووجد من دونهم امرأتين تذودان قال ما خطبكما قالتا لا نسقي حتى يصدر الرعاء وأبونا شيخ كبير، فسقى لهما ثم تولى إلى الظل فقال رب إني لما أنزلت إلى من خير فقير فجاء ته إحداهما تمشي على استحياء قالت إن أبي يدعوك ليجزيك أجر ما سقيقت لنا فلما جاء ه وقص عليه القص قال لا تخف نجوت من القوم الظالمين قالت إحداهما يا أبت استأجره إن خير من استأجر ت القوى الأمين"
(قصص:۲۳-۲۶) (مدین کے پانی پر جب آپہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت یہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دکھائی دیں پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں، پس آپ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سایے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم وحیاء سے چلتے ہوئے آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی ان دونوں میں سے ایک نے کہا، ابا جی آپ انہیں مزدوری پر رکھ

لیجئے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو)۔

ہمیں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ ملکۂ سبا اپنے قومی شوری کے سرداروں سے مشورہ کرتی ہے اور قرآن نے اس کی تعریف کی ہے کیونکہ وہ شورائی نظام میں شریک ہو کر حکومتی امور انجام دیتی ہے جبکہ اس کے برعکس رائے عالمہ کو نظر انداز کر کے اپنی رائے مسلط کرنے پر فرعون کی مذمت کی ہے۔

"قالت یا أیها الملأ إنی ألقی إلی کتاب کریم إنه من سلیمان وإنه بسم الله الرحمن الرحیم، أن لا تعلوا علیّ وأتونی مسلمین قالت یا أیها الملأ أفتونی فی أمری ما کنت قاطعة أمر حتی تشهدون قالوا نحن أولو قوة وأولو بأس شدید والأمر إلیک فانظری ما ذا تأمرین قالت إن الملوک إذا دخلوا قریة أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة وکذلک یفعلون وإنی مرسلة إلیهم بهدیة فنظرة بم یرجع المرسلون" (نمل:۲۹-۳۵)۔

(وہ کہنے لگی اے سردارو! میری طرف ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میری پاس آجاؤ اس نے کہا اے میرے سردارو، تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہی کیا کرتی ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت ور اور قوت والے ہیں سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں اس نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے، میں انہیں ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر

لوٹتے ہیں)۔

اس طرح اجتماعی عمل کے اندر مرد کے ساتھ عورت کی شرکت دنیا کے تمام معاشرے اور مذاہب کے اندر رائج طریقہ رہا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اندر اس کی وضاحت ابھی گذری ہے۔

رہا آخری دین اور عہد نبوی کے معاشرے کے اندر رائج طریقہ جس نے مرد وعورت کے درمیان اعانت اور مدد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے عملی شکل دی ہے اسے اجتماعی عمل میں شرکت کے بنیادی نقطہ کی حیثیت حاصل ہے، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ کے مولف مرحوم ڈاکٹر عبد الحلیم ابوشقہ نے تقریباً تین سو احادیث نبویہ صرف صحیحین کے اندر شمار کرائے ہیں جو عبادات ومعاملات، مجالس حتی کہ راہ خدا میں جہاد سے متعلق اجتماعی امور کے مختلف شعبوں میں عورتوں کی شرکت کے موضوع سے متعلق ہیں (عبد الحلیم ابوشقہ تحریر المرأۃ فی عصر الرسالہ مطبوعہ دار القلم بیروت ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۰ء)۔

موقع ومحل اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ اجتماعی امور میں عورتوں کی شرکت کی زیادہ سے زیادہ مثالیں یہاں پیش کی جائیں جن سے یہ وضاحت ہو سکے کہ اسلامی معاشرہ کی شکل ایک مخلوط معاشرہ کی ہوتی ہے جو معاشرتی اصول وآداب کا پوری طرح سے پابند ہے جہاں عورت کا کسی مرد سے تنہائی میں ملنا حرام ہے کیونکہ اس طرح ملنا ملانا حرام کاری کا ذریعہ بنتا ہے، اسلامی معاشرے کے اندر اجتماعی زندگی کے تمام شعبے مرد وعورت کی کارکردگی کے لئے کھلے ہوئے ہیں، البتہ مردوں کی فطری صنفی خصوصیات کی پاسداری کو ملحوظ رکھنا اجتماعی کاموں کے اندر ضروری ہے۔

یہاں موقع ومحل اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ان تفصیلات کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا جائے جو عہد نبوی کے معاشرے کے اندر جو رہتی دنیا تک امت اسوہ ونمونہ کی حیثیت

رکھتا ہے مذکورہ بالا اس حقیقی صورت حال کو ثابت کریں چنانچہ یہاں عہد نبوی کے مختلف معاشرتی امور میں خواتین کی عملی شرکت کی بعض تفصیلات کا اجمالی ذکر ہی کافی ہوگا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق جن کے سینے میں ہجرت نبوی کا منصوبہ پوشیدہ تھا اور اس عظیم منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیئے وہ بہ نفس نفیس اپنے شوہر زبیر ابن العوام (۲۸ ق ھ ۳۶ھ، ۹۶ھ-۶۵۶ء) کے گھر کے کام انجام دیتیں ان کے کھیت پر کام کرتیں بلکہ غزوات اور جنگوں میں بھی شریک ہوئیں، صحیحین کی ان سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر نے مجھ سے شادی کی اس وقت ان کے پاس مال واسباب بالکل نہیں تھے سوائے آب پاشی کے کام میں آنے والے اونٹ اور گھوڑے کے میں انہیں چارہ پانی دیتی اور چمڑے کے ڈول سلتی اور آٹا گوندھتی میں چونکہ روٹیاں ڈھنگ سے نہیں پکا پاتی تھی اس لئے انصار کی میری پڑوسن عورتیں پکا دیا کرتی وہ میری مخلص پڑوسنیں تھیں، میں حضرت زبیر کے اس کھیت سے گٹھلیاں جمع کر کے اپنے سر پر لاتی جو انہیں اللہ کے رسول ﷺ نے عطا کیا تھا اور میرے گھر سے تین فرسخ کی دوری پر تھا، ایک روز مجھے اللہ کے رسول ﷺ راستے میں مل گئے انصار صحابہ میں سے کچھ لوگ آپ کے ساتھ تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ سوار کرنے کے لئے بلایا مجھے مردوں کے ساتھ جاتے شرم آئی مجھے حضرت زبیر کی غیرت ومحبت کا بھی پاس ولحاظ تھا آپ ﷺ تشریف لے گئے حضرت زبیر کے پاس میں پہنچی تو میں نے انہیں بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے ملے تھے میرے سر پر گٹھلیاں تھیں ان کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے، آپ ﷺ اونٹ کو بٹھا دیا تا کہ میں سوار ہو جاؤں لیکن مجھے بیٹھتے ہوئے شرم آئی اور میرے ذہن میں آپ کی غیرت وحمیت بھی تھی تو انہوں نے کہا تمہارا گٹھلیوں کو سر پر اٹھانا مجھ پر آپ ﷺ کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ گراں تھا۔

حضرت ام سلمہؓ کی ذات گرامی نے اپنی دانائی اور مشورہ سے صلح حدیبیہ کے دن امت

کو سیاسی بحران سے بچایا، چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت کے اندر حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اٹھو قربانی کرو اور اپنے سر منڈوالو، راوی کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی بھی نہ کھڑا ہوا یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تین مرتبہ یہ حکم فرمایا لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا، آپ حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے آئے اور صحابہ کے اس رویے کا ذکر کیا، اس پر حضرت ام سلمہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں تو باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنے قربانی کے جانور کی قربانی کریں، حجام کو بلوا کر سر منڈوائیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نکلے آپ نے کسی سے کوئی بات نہ فرمائی یہاں تک کہ قربانی اور سر منڈوانے کے عمل کو انجام دیا اس کے بعد صحابہ کرام ان امور کی انجام دہی میں لگ گئے، قربانیاں کیں اور باہم ایک دوسرے کے سر مونڈے۔

اس طرح سیاسی بحران کے اندر ایک دانا خاتون کے مشورے نے پوری امت کو ایک نازک بحران سے بچالیا، جبکہ صحابہ کرام میں سرکردہ افراد اس وہم میں مبتلا تھے کہ صلح حدیبیہ کے اندر اسلام کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور یہ کہ انہوں نے اتنا گر کر صلح کرلیا ہے کہ وہ دینی طور پر ذلت آمیز پوزیشن تک جا پہنچے ہیں۔

زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ کی دانائی نے انہیں اجتماعی مشورے کے اندر شرکت کا اہل بنادیا ساتھ ہی ان کی یہ حکمت ودانائی اجتماعی امور میں ان کی شرکتوں کا مثبت نتیجہ بھی تھی، کیونکہ انہیں عام اجتماعات میں شرکت کا شدید اشتیاق تھا، وہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ باندی میرے بالوں میں کنگھی کررہی تھی کہ میں نے سنا کہ آپ ﷺ منبر پر ارشاد فرمارہے ہیں، ''اے لوگو! میں نے باندی سے کہا ہٹو اس نے کہا کہ اللہ کے رسول نے مردوں کو مخاطب کیا ہے عورتوں کو نہیں میں نے کہا ''لوگوں'' میں بھی شامل ہوں اس طرح وہ ایک

متحرک اور اجتماعی تقاضوں سے مناسبت رکھنے والی خاتون تھیں جو اجتماعات کے اندر بکثرت شرکت فرماتیں یہاں تک کہ زیب وزینت کے عمل کو بھی موخر کر دیتیں کہ کہیں وہ پکار پر لبیک کہنے سے نہ رہ جائیں۔

خدا تعالی نے اس عورت کی باتیں سن لیں جو اپنے شوہر کے سلسلہ میں اللہ کے رسول سے جھگڑ رہی تھی وہ عورت حضرت اسماء بنت عمیس تھیں جو کہ حبشہ کی ہجرت سے لوٹی تھیں وہ حضرت عمر بن خطاب سے جھگڑا رہی تھیں اور کسی معاملے میں ان سے اختلاف کر رہی تھیں، جسے وہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں تا کہ آپ اس اختلافی معاملے میں فیصلہ فرمادیں۔ حضرت ابوموسی اشعری بخاری شریف میں مذکور اپنی ایک روایت کے اندر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر حضرت حفصہ کے پاس گئے جہاں حضرت اسماء بنت عمیس موجود تھیں جو حبشہ کی ہجرت فتح خیبر کے سال واپس لوٹی تھیں حضرت عمر نے حضرت حفصہ سے پوچھا یہ کون ہیں، انہوں نے جواب دیا اسماء بنت عمیس۔

حضرت عمر کہنے لگے یہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والی یہ سمندری ملک کی طرف ہجرت کرنے والی؟ ہجرت میں ہمیں تم پر برتری حاصل ہے (مدینہ کی طرف) ہمیں اللہ کے رسول سے تم سے زیادہ قربت حاصل ہے، حضرت اسماء اس پر خفا ہو گئیں کہنے لگیں ہرگز نہیں خدا کی قسم تم لوگ اللہ کے رسول کے ساتھ تھے جو تمہارے بھوکوں کو کھلاتے اور نادانوں کو نصیحت فرماتے تھے جبکہ ہم دور دراز دشمنوں کے علاقہ حبشہ کے اندر تھے محض اللہ اور اس کے رسول کے لئے خدا کی قسم میں اس وقت تک کچھ کھاؤں پیوں گی نہیں جب تک یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے نہ کہہ دوں جو تم نے کہی ہیں ہم لوگوں کو پریشان کیا جاتا اور ڈرایا جاتا ہے میں اول فرصت میں اللہ کے رسول سے اس کا ذکر کروں گی، اور ایسے پوچھوں گی نہ تو جھوٹ بولوں گی اور نہی توڑ مروڑ کر یا بڑھا چڑھا کر کوئی بات کہوں گی وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئیں اور انہوں نے کہا کہ

اے اللہ کے رسول! عمر نے ایسا ایسا کہا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جواب میں تم نے کیا کہا، انہوں نے بتایا کہ میں نے جواب میں یہ کہا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہ تم سے زیادہ مجھ سے قریب نہیں عمر اور دیگر مہاجرین مدینہ کے لئے ایک ہجرت کا ثواب ہے جب کہ تمہارے لئے اے کشتی والو دو ہجرت کا ثواب ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ کشتی کے ہجرت کے ساتھی جوق در جوق میرے پاس آئے اور اس حدیث کے بارے میں پوچھتے، ان کے نزدیک دنیا میں اللہ کے رسول کے ان کے سلسلہ میں اس ارشاد سے بڑھ کر کوئی خوش کن چیز نہیں ہے۔

مسلمانوں میں ادنی شخصیت بھی ان کی جانب سے کسی کو امان دینے کا حق رکھتا ہے، یہ حق مردوں تک ہی محدود نہیں ہے، چنانچہ ابو طالب کی بیٹی ام ہانی ہبیرہ کے ایک شخص کو امان و پناہ دیتی ہیں جس کی اسلام مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے اس کا خون بہانا جائز تھا، وہ اس کے لئے اپنے بھائی حضرت علی ابن ابی طالب کے سامنے اڑ جاتی ہیں جو کہ اس کی جان کے درپے تھے وہ اس معاملے کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تشریف لے گئیں آپ نے ان کے اس امان کا احترام کرتے ہوئے ان کے وعدے اور پناہ دینے کے عمل کو نافذ کیا، صحیحین میں ان کی ایک روایت ہے کہ میں فتح مکہ کے سال آپ کے پاس گئی اور سلام کیا جواب میں آپ نے کہا مرحباً اے ام ہانی میں نے کہا اے اللہ کے رسول میرے ماں زاد بھائی (حضرت علی) ایک ایسے شخص کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے جو بنی ہبیرہ کا فلاں شخص ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔

ابوسفیان ابن حرب کی بیوی ہند بنت عقبہ اپنے اسلام لانے کے بعد فتح مکہ کے سال برملا یہ اعلان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں سے ہمارا سابقہ دشمنی کو ہمارے اندر برپا اسلامی انقلاب نے محبت میں بدل دیا ہے، صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے

آپ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے اللہ کے رسول روئے زمین پر خیموں اور گھروں کی اس آبادی میں آپ کے اصحاب کی ذلت مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی اور اب مجھے روئے زمین پر آپ کے اصحاب کی عزت سب سے زیادہ عزیز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے سلسلہ میں میرے بھی جذبات یہی ہیں۔

زینب بنت مہاجر جو کہ احمس سے تعلق رکھتی ہیں انہیں امت مسلمہ کے مستقبل کی فکر دامن گیر تھی وہ امت کی اطمینان بخش مستقبل کی خواہاں تھیں، چنانچہ وہ حضرت ابوبکر سے اس خیر کی بقا کے بارے میں سوال کرتی ہیں جسے اسلام لے کر آیا ہے اس سوال حضرت ابوبکر کے جواب کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

درست اعمال پر امت کی بقاء کیونکر ممکن ہے؟ جسے اسلام دور جاہلیت کے بعد لے کر آیا ہے۔

حضرت ابوبکر نے انہیں جواب دیا تم اس وقت تک درست اعمال پر قائم رہو گے جب تک تمہارے رہبر و رہنما تمہارے تئیں اپنے فرائض درستگی کے ساتھ ادا کرتے رہیں گے۔

حضرت عمر بن الخطاب کو نیزہ لگنے کے بعد مسلمان مرد و عورت سبھی خلافت کی منتقلی کے مسئلہ پر فکر مند تھے، مسلم شریف کی ایک روایت میں عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے والد اپنا کوئی جانشیں مقرر نہیں کر رہے ہیں میں نے کہا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے، حضرت حفصہ نے کہا کہ وہ ایسا ہی کریں گے، میں نے قسم کھائی کہ میں ضرور اپنے والد سے اس سلسلہ میں بات کروں گا، میں خاموش رہا یہاں تک کہ دوسرا دن ہو گیا اور میں نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اپنے ہاتھوں میں کوئی پہاڑ اٹھائے ہوئے ہوں تا آنکہ واپس آ کر میں ان کے پاس پہنچا، انہوں نے مجھ سے لوگوں کے احوال پوچھے میں انہیں بتاتا رہا پھر میں

نے ان سے کہا کہ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے ایک بات سنی ہے، میں نے قسم کھائی کہ میں آپ سے ضرور کہوں گا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کوئی جانشیں مقرر نہیں کریں گے خواہ (بعد میں) اونٹ یا بکری کا کوئی چرواہا ہی کیوں جانوروں کو چھوڑ کر امور جانشینی انجام دینے لگے میری رائے میں یہ موقع ضائع کرنا ہے۔ حضرت عمر تھوڑی دیر کے لئے سر کو تکیے پر رکھے رکھا پھر سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ تعالی اپنے دین کی حفاظت کرے گا اگر میں جانشیں مقرر نہیں کرتا ہوں تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی مقرر نہیں کیا تھا اور اگر میں مقرر کرتا ہوں تو ابوبکر نے مقرر کیا تھا، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! جیسے ہی انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ اور ابوبکر کا نام لیا میں نے سمجھ لیا کہ وہ آپ ﷺ کے طرز عمل کے سامنے ہونے کے بعد کسی کے موقف پر کان دھرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور نہ ہی کوئی جانشیں مقرر کریں گے۔

حضرت حفصہ کا بعینہ یہی رویہ جو امت کے تیئں عورتوں کی فکر مندی کا مظہر ہے عظیم فتنے کے زمانے میں حضرت علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان نزاع میں فیصلے کے وقت بھی سامنے آیا۔ جو ام المومنین حضرت حفصہ سے مروی بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر نے فیصلہ کے اندر اپنی عدم شرکت کی یہ کہتے ہوئے شکایت کی کہ جو کچھ آپ دیکھ سمجھ رہی ہیں وہ لوگوں کے لئے ہے اس معاملے میں مجھے کسی لائق نہیں سمجھا گیا۔ حضرت حفصہ نے ان سے کہا کہ مجلس میں جاؤ وہ لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے نہ جانے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے وہ انہیں بھیج کر وہی رہیں۔

عہد نبوی میں اجتماعی معاشرتی عمل کے اندر عورتوں کی شرکت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں محض رائے مشورہ اور باتوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ انہوں نے اس فریضے کی ادائیگی میں اپنی شرکت کو عملی طور پر انجام دیا۔ وہ مردوں کے شانہ بشانہ اجتماعی امور انجام دیا کرتیں۔

طبرانی کے اندر یحی بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ میں نے سمرا بنت نہیل کو جنہوں نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا ہے، دیکھا کہ وہ دبیز کپڑے کا لباس زیب تن کئے ہوئی ہیں جو دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا وہ بھی دبیز کپڑے کا تھا، ہاتھ میں کوڑا لئے ہوئے لوگوں کی اصلاح کر رہی ہیں، اچھے کاموں کا حکم اور برے کاموں سے روک رہی ہیں۔

اسی طرح ان صحابیہ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ اپنے ہاتھوں سے انجام دے کر حضرت عمرؓ کے ''درے'' کی یاد تازہ کردی۔

عہد نبوی کے اندر عورتیں یہ سب کچھ کیا کرتیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی کی اپنی ذمہ داری مردوں کے قدم بقدم انجام دیتی خواہ اس کے لئے انہیں خلیفہ وقت کا سامنا کرنا پڑے، یہ واقعہ حضرت عمر بن الخطاب کے روبرو ان کی رائے کی مخالفت کے ضمن میں سامنے آیا، جب انہوں نے چاہا کہ چار سو درہم سے زیادہ کے مہر پر پابندی عائد کردیں تو ایک عورت نے مسجد کے اندر سب کے سامنے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ کیا آپ نے یہ فرمان الٰہی نہیں سنا: ''و آتیتم إحداهن قنطاراً'' (نساء:۲۰) (اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہے)۔

اس پر حضرت عمر نے کہا کہ خدایا مجھے معاف کرنا لوگوں میں سے ہر ایک عمر سے زیادہ دین وشریعت کی سمجھ رکھتا ہے، پھر وہ وہاں سے لوٹ کر منبر پر چڑھے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا اب تم اپنے مال میں سے جتنا چاہو مہر رکھو (فتاوی واقضیہ عمر بن الخطاب/ ۱۲۳، جمع وتحقیق عبد العزیز ہلاوی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۵ء)۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ام درداء اور عبد الملک بن مروان (۲۶-۸۶ھ، ۶۴۶-۷۰۵ء) کے درمیان پیش آیا، مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق مروان سے کہا کہ رات کو تم نے اپنے خادم کو بلاتے وقت لعن وطعن کیا تھا میں ابو درداء کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ

کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت زیادہ لعن وطعن کرنے والوں کا قیامت کے دن نہ کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ہی کوئی ان کی گواہی دے گا۔

اس سے بھی بڑا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت اسماء بنت ابوبکر حجاج بن یوسف (۴۰-۹۵ھ، ۶۶۰-۷۱۴ء) جیسے ظالم وسرکش سے نوک جھونک ہوئی حضرت اسماء نے حجاج کے ہاتھوں اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا واقعہ یوں ہے کہ حجاج نے حضرت اسماء کو اپنے ایک قاصد کے ذریعہ بلوایا انہوں نے اس کے سامنے جانے سے انکار کر دیا، اس نے اپنے قاصد کو دوبارہ اس وارننگ کے ساتھ بھیجا کہ میرے سامنے حاضر ہو جاؤ ورنہ تمہیں لانے کے لئے ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہاری چوٹیاں پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے آئے گا، حضرت اسماء نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آؤں گی جب تک کہ تم چوٹی پکڑ کر گھسیٹنے والے کو میرے پاس نہ بھیجو، مجبوراً حجاج ان کے پاس اتراتا ہوا پہنچا، ان کے سامنے جا کر کہا: اللہ کے دشمن کے ساتھ میں نے جو کیا اس پر تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماء نے جواب دیا کہ تم نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تمہاری آخرت، اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ بنوثقیف کے اندر ایک جھوٹا اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا جھوٹے کو تو ہم نے مختار بن عبید ثقفی کی شکل میں دیکھ لیا، رہ گیا ہلاکو ہلاکت وخونریزی سے بڑھ کر تمہارا کوئی عزیز وہمسر نہیں یہ سن کر حجاج اٹھ کر چلا گیا اس نے ان سے دوبارہ کبھی کوئی تعارض نہیں کیا (روایت مسلم)۔

حج وعمرہ کے تمام مناسک کے اندر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، مناسک کی ادائیگی کا اس مشترکہ طریقے کی پاسداری ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہوتی آئی ہے۔

مسجد کے اندر انجام دی جانے والی سرگرمیوں اور عبادت کے اندر مردوں کے ساتھ

عورتوں کی شرکت کی روش ابتدائے اسلام میں ایک مروج اور قابل لحاظ امر تھا یہ ایسی روش تھی جس پر نہ صرف یہ کہ عورتیں عملی طور پر کاربند تھیں بلکہ اس کے بارے میں اور اس کی وجہ سے احادیث نبویہ وارد ہوئیں، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ عورتوں کو ان کے مسجد میں جانے کے حق سے نہ روکو، انہیں یہ اجازت شب وروز کی تمام نمازوں کے لئے یکساں طور پر تھی، خواہ وہ رات کی تاریکی میں عشاء کی نماز ہو یا غلس کے وقت فجر کی نماز، یہ اجازت حدیث نبوی کی تعمیل میں تھ جس کو صحیحین نے روایت کیا ہے کہ جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد کے اندر نماز کی اجازت چاہیں تو انہیں اجازت دیدو، صحیحین ہی کے اندر حضرت عائشہ سے مروی ایک روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مسلمان عورتیں اللہ کے رسول کے ساتھ فجر کی نماز میں شریک ہوتیں جو چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتیں پھر وہ نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جاتیں انہیں غلس (رات کے آخری پہر کی تاریکی) کی وجہ سے کوئی پہنچان نہ پاتا۔

عہد نبوی کے اندر مسجدیں محض نماز ادا کرنے کی جگہ نہیں تھیں بلکہ مسجد میں بہت سی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتی تھیں جن میں مرد وعورت دونوں ہی شریک ہوتے تھے، عورتیں مسجد میں نماز کے علاوہ اعتکاف بھی کرتیں تھیں حضرت عائشہ سے مروی صحیحین کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے اخیر کے عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے آپ کا یہ معمول وفات تک جاری رہا آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اس معمول کو جاری رکھا۔

نماز اور اعتکاف کے علاوہ عورت مسجد میں معتکف اپنے اہل خانہ سے ملنے جاتی، علمی مجالس میں حاضر ہوتی عمومی اجتماعات کی دعوت پر شریک ہوتی، مسجد کے اندر منعقد خصوصی مجلسوں میں اور قضاء کی مجالس میں جاتی تھی نیز مریضوں کی عیادت اور مسجد کی خدمت کے لئے بھی مساجد کے اندر ان کی آمد ہوا کرتی تھی، بلکہ مسجد ایک ایسی بزم ہوا کرتی جس میں شادی کا خواہش مند اپنے لئے رشتے دیکھا کرتا (تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ ۲/۱۸۱-۱۹۴)۔

عیدین کی تقریب کے اندر عورتیں نابالغ بچیاں تک شرکت کیا کرتیں حائضہ عورتیں نماز عیدین کے علاوہ تقریب میں موجود ہوتیں، اس موقع سے انتہائی یا پردہ خواتین شریک تقریب ہوا کرتیں، جس کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دیا ہے۔

حضرت ام عطیہ بخاری شریف کی ایک روایت میں کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم بالغہ اور شادی کی عمر کی بچیوں، پردہ نشیں خواتین اور حائضہ عورتوں کو عیدگاہ لے جائیں تا کہ وہ عہد کی مسرت وشادمانی، مسلمانوں کی جمعیت اور اہل ایمان کی دعوت کو بچشم خود ملاحظہ کریں، حائضہ عورتیں نماز سے علاحدہ رہیں، انہیں سے مروی بخاری شریف کی دیکھ دوسری روایت میں ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا کہ ہم عید کے دن نکلیں حتی کنواریاں اپنے پردے سے باہر نکلیں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ اس بات کی ترغیب دیتے کہ جس خاتون کے پاس زائد کپڑے ہوں (پردے کے) وہ اسے دوسری خاتون کو عاریۃً دے دے جس کے پاس نہ ہوں تا کہ وہ عیدین کی اجتماعی تقریب میں شرکت کر سکے، حضرت ام عطیہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا، جس کو صحیحین نے نقل کیا ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کسی عورت کے پاس جلباب (لمبا کرتا) نہ ہو تو اس کے عیدگاہ نہ جانے میں کوئی حرج ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کی سہیلیوں کو چاہئے کہ وہ اسے اپنا فاضل جلباب دیدیں۔

جنگی کامیابیوں اور فتوحات کی تقریبات میں عورتیں حتی کہ بچیاں بھی شرکت کے لئے جایا کرتیں فتح مکہ کے موقع سے اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا جس کو حضرت ابن عباس نے صحیح مسلم کے اندر روایت کیا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے (جو کہہ رہے تھے یہ محمد ہیں یہ محمد ہیں حتی کہ نوجوان بچیاں بھی گھروں سے نکل گئیں۔

بلکہ عورتیں کھیلوں کے مقابلے اور کرتب دیکھا کرتیں ترنم آواز میں ترانے سنتیں وہ بھی کہاں؟ مسجد نبوی کے اندر حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں

فرماتی ہیں، عید کا دن تھا سوڈانی چمڑے کے نیزے سے کرتب دکھا رہے تھے یا تو میں نے اللہ کے رسول سے پوچھا یا انہوں نے خود کہا کیا تم دیکھنا چاہتی ہو، میں نے کہا، ہاں چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا میرے رخسار آپ کے رخسار پر تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے، بنوارفدہ تم بازی مارلو (کھیلنے والے حبشیوں کو شاباشی اور ترغیب دینے کے لئے) تا آنکہ میں دیکھتے دیکھتے اکتا گئی، آپ ﷺ نے فرمایا دیکھ چکیں میں نے کہا، ہاں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں عورتیں ولیمہ اور شادی کی تقریبات میں مردوں کی خدمت کیا کرتی تھیں، صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابواسید الساعدی نے شادی کی تو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مدعو کیا، اس موقع سے ام اسید کی بیوی ہی نے لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا اور پیش بھی کیا ان کی بیوی اس دن مہمانوں کی خدمت کررہی تھیں، جبکہ وہ دلہن تھیں، انہوں نے رات کو پتھر کے ایک برتن میں کھجور ابالا جب اللہ کے رسول کھانے سے فارغ ہوگئے کھجوروں کو رل مل کر کے آپ ﷺ کو پلایا یہ آپ کے لئے خصوصی تحفہ تھا۔ اس واقعہ میں دلہن اپنی شادی کے مہمانوں کو دعوت ولیمہ کھلا رہی ہے ان میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں۔

عہد نبوی کے اندر اجتماعی عمل کے مختلف شعبوں میں عورتیں اس انداز سے شریک ہوا کرتی تھیں۔

اسلام نے عورت کو سامنے حریت وآزادی کا دروازہ کھولا ہے اور اس آزادی کو فطری اصول اور اسلامی قدروں کا پابند بنایا ہے، مسلمان خواتین نے حریت وآزادی کی دہلیز پر قدم رکھا اور اپنی ان فطری صلاحیت واستعداد کو بیدار کیا، جو بت پرست جاہلانہ ماحول میں کمہلا کر رہ گئیں تھیں، یہیں سے ہم نے عورت کو مردوں کے ساتھ اجتماعی عمل کے مختلف شعبوں میں اپنی حصہ داری نبھاتے دیکھا، عبادات سے لے کر معاملات تک، مشاورت وسیاست اور معاشرت کے

شعبوں میں بھی اس نے قدم رکھا چہ جائیکہ ہم خانگی نظام میں اس کے کردار کی بات کریں یہی حال ان کی جائز تفریح اور فارغ البالی کا ہے بلکہ وہ میدان عمل کے اندر مردوں کے ہم رکابی میں اس سے بھی آگے نظر آتی ہیں، ان سب پر مستزاد مدرسہ نبوت کی پروردہ خواتین اسلام کو مردوں کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیتی نظر آتی ہیں۔

داخل اسلام ہونے پر عورت بھی ویسے ہی بیعت کرتی ہے جیسے مرد بیعت کرنے میں پھر وہ ہمیں صلح حدیبیہ کے اندر مردوں کے ساتھ درخت کے نیچے جنگ وقتال پر بیعت کرتی بیعت رضوان کے اندر شریک نظر آتی ہے، اللہ سبحانہ عزوجل نے اس بیعت کے سلسلہ میں جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے کی گئی تھی آیت کریمہ نازل فرمائی، وہ فرماتا ہے:

"لقد رضی الله عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم وأنزل السکینة وأثابهم فتحاً قریباً، إن الذین یبایعونک إنما یبایعون الله ید الله فوق أیدیهم فمن نکث فإنما ینکث علی نفسه ومن أوفی بما عاهد علیه الله فسیوتیه أجراً عظیماً" (سورہ فتح:۱۰)۔

(یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کررہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی، جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اس نے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا)۔

صحیح بخاری میں حضرت ربیع بنت معوذ اپنی ایک روایت کے اندر کہتی ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ غزوہ میں نکلتی تھیں، چنانچہ ہم لوگوں کو پانی پلاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور مقتولین اور زخمیوں کو واپس مدینہ روانہ کرتیں۔

حضرت ابن عباس سے مروی صحیح مسلم کی ایک روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ عورتوں کو غزوات میں لے کر جاتے تھے اور غنیمت سے بھی انہیں عطا کرتے۔

یہ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے داخل اسلام ہونے پر بیعت کی اور پھر بیعت عقبہ کے اندر مردوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالنے پر بیعت کی بعد ازاں صلح حدیبیہ کے سال ۶ ھ میں درخت کے نیچے بیعت رضوان میں بھی مردوں کے ساتھ شریک نظر ہوئیں وہ غزوہ احد میں مردانہ وار لڑیں جبکہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے تھے اور اللہ کے رسول کے ساتھ معدودے چند لوگ رہ گئے تھے جنہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا، حضرت ام عمارہ جم گئیں اور پائینچا چڑھا کر میدان میں آ گئیں ان کے ساتھ جمنے والوں میں ان کے شوہر اور دو بیٹے تھے، اس دن ان کی جنگی ذمہ داری آپ ﷺ کی حفاظت تھی یہاں تک کہ جب ابن قمیئہ نے آپ پر نشانہ سادھا تو ام عمارہ نے اپنے آپ کو پیش کر دیا، نیزے کے وار کو اپنے کندھے پر جھیلا اور خود کو نچھاور کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کی اس زبردست شجاعت اور پامردی کو دیکھ کر بھاگنے والوں سے کہتے کہ وہ ان کے لئے اپنے ڈھال اور اسلحے چھوڑ جائیں ان کے بیٹے سے کہتے کہ اپنی ماں کے زخموں پر پٹی باندھیں تا کہ ان کا خون نہ بہے اور انہیں داد شجاعت دیتے ہوئے فرمایا: اے ام عمارہ کون ہے جو تمہارے جیسا جگر رکھتا ہو میں احد کے دن دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا پاتا کہ وہ میری دفاع کر رہی ہے احد کے دن نسیبہ بنت کعب کا مقام و مرتبہ مردوں میں سے فلاں فلاں سے بڑھا ہوا ہے (طبقات ابن سعد ۸/ ۳۱۰-۳۰۳)۔

حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ کی شجاعت و بہادری کوئی استثنائی یا شاذ و نادر صورت نہیں تھی، چنانچہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے مروی ایک روایت ہے جس میں وہ

فرماتے ہیں احد کے دن جب مسلمان آپ کو چھوڑ کر فرار ہونے لگے، میں نے عائشہ بنت ابوبکر ام سلیم (غمیصاء بنت ملحان) کو دیکھا کہ دونوں پائنچہ چڑھائے ہوئے (ان کی پنڈلیوں کی سفیدی اب بھی میری نگاہوں میں ہے) بہت تیزی سے اپنی پشت پر مشکیزے لے آرہی ہیں اور لوگوں کو پلا رہی ہیں پھر وہ واپس ہوتیں بھر کر لاتیں اور لوگوں کو پلاتیں یہ ام سلیم جو ابوطلحہ انصاری کی بیوی ہیں اور جو عورتوں کی جماعت کے ساتھ غزوات میں آپ کے ہمراہ مسلسل شریک ہوتی رہیں، صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ غزوات کے اندر ام سلیم اور انصار کی دیگر چند عورتوں کے ساتھ تشریف لے جاتے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کرتیں، معرکہ حنین کے موقع سے ان کے شوہر نے انہیں خنجر سے لیس دیکھا مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول ام سلیم خنجر لئے ہوتی ہیں، اللہ کے رسول نے ان سے پوچھا یہ خنجر کس لئے؟ ام سلیم نے جواب دیا میں نے اسے رکھ لیا ہے اگر مشرکین ہیں سے کوئی میرے قریب آئے گا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، آپ ﷺ خوش ہنسنے لگے۔

غزوات کے اندر خواتین اسلام از خود بڑھ چڑھ کر حصہ لے لیں اور ان کی یہ پہل مسلسل اور بار بار ہوتی حتی کہ غزوات کے اندر ان کی شرکت ایک عام رواج بن گئی ام سفیان اسلمیہ روایت کرتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کی جانب نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ خدمت میں پہنچ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے جہاں کا قصد کیا ہے میں بھی آپ کے ساتھ وہاں چلوں گی، میں مشکیزے سلوں گی، مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی (کیونکہ وہ ایک جراح تھیں) آپ کی عدم موجودگی میں خیموں اور ساز وسامان کی دیکھ ریکھ کروں گی، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے نکلو تمہاری بعض ہمفسر خواتین نے بھی مجھ سے بات کی تھی جن میں بعض تمہارے قبیلے سے ہیں اور بعض دوسرے

قبیلوں کی ہیں میں نے انہیں اجازت دیدی ہے، اگر تم چاہوتو اپنے قبیلے کی خواہش کے ساتھ ہو جاؤ اور اگر چاہوتو ہمارے ساتھ چلو میں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری زوجہ ام سلمہ کے ساتھ ہوجاؤ وہ کہتی ہیں کہ میں انہیں ساتھ رہی (حوالہ سابق ۸/ ۲۹۲)۔

غزوات کے اندر مسلمان خواتین کی شرکت میں پہل کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اچانک میدان جنگ میں عورتوں کی ایک جماعت بغیر کسی اجازت آپ کے پاس جا پہنچی اس واقعہ کو امام ابوداؤ نے اپنی روایت کے اندر نقل کیا ہے کہ حشرج بن زیاد اپنی دادی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ غزوہ خیبر کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نکلیں تھیں وہ چھ عورتیں تھیں ان کے پہنچنے کی خبر جب اللہ کے رسول ﷺ کو ملی تو انہوں نے ہمیں بلا بھیجا جب ہم گئیں تو ہم آپ کو غصہ میں دیکھا آپ نے ہم سے دریافت کیا کس کے ساتھ تم لوگ آئی ہو اور کس کی اجازت سے آئی ہو، ہم لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اشعار پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی مدد کریں گے، زخمیوں کے لئے ہم دوائیں لے کر آئے ہیں ہم مجاہدین کو تیر بڑھائیں گے انہیں ستو پلائیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا کہ کھڑی ہوجاؤ بالآخر اللہ تعالی نے خیبر کے اندر فتح عطا فرمائی، آپ ﷺ نے مردوں کی طرح ہمیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔

یہ مسلمان عورتوں کی جماعت تھی انہوں نے جنگ کے اندر تعاون کیا انہوں نے کہا ہم تیر بڑھائیں گے اسی بنا پر اللہ کے رسول نے فتح کے بعد مال غنیمت سے مردوں کی انہیں بھی حصہ دیا۔ حضرت ام عطیہ کے شوہر نے بارہ غزوات میں شرکت کی جن میں سے چھ کے اندر وہ اپنے شوہر کے ساتھ شریک ہوئیں جبکہ بغیر شوہر کے بھی ایک غزوہ میں شریک ہوئیں، صحیحین کی اپنی ایک روایت میں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کل سات غزوات

میں شرکت کی ہے میں لشکر کے پیچھے ہوتی لوگوں کے لئے کھانا پکاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی۔

حضرت رفیدہ اسلمیہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اسلامی مملکت کے اندر طبابت کے لئے مستقل جگہ بنائی انہوں نے اس کے لئے مسجد نبوی کے اندر ایک خیمہ لگایا، غزوہ خندق کے موقع سے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سعد بن معاذ کا علاج اسی خیمے کے اندر کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہیں رفیدہ کے خیمہ میں رکھوتا کہ نزدیک ہونے کی وجہ سے میں اس کی مزاج پرسی کرسکوں۔

اجتماعی عمل کے مختلف شعبوں میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت کے نمونوں کا یہ محض اجمالی بیان ہے، غور وفکر کرنے والوں کے لئے کتب صحیح بخاری کے ابواب کے بعض عناوین ہی کافی ہوں گے تاکہ وہ اجتماعی عمل میں خواتین کی ان شرکتوں کے حقائق کی تہہ تک پہنچ سکیں جو ابواب بخاری کے ان عناوین سے جھلک رہے ہیں:

- مرد وعورت کے لئے جہاد میں شرکت کی دعا کا بیان
- جہاد میں عورتوں کی شرکت کا بیان
- سمندری غزوہ میں عورتوں کی شرکت کا بیان
- غزوات اور جنگوں کے اندر مردوں کے ساتھ عورتوں کے شریک ہونے کا بیان
- غزوات کے اندر عورتوں کے ذریعہ مشکیزے پہنچائے جانے کا بیان
- عورتوں کے ذریعہ زخمیوں کی مرہم پٹی کئے جانے کا بیان
- زخمیوں اور مقتولین کو عورتوں کے ذریعہ گھر واپس بھیجے جانے کا بیان
- عورتوں کے ذریعہ امان اور پناہ دیئے جانے کا بیان
- شادی کے اندر عورتوں اور بچوں کی شرکت کا بیان

- شادی کے اندر عورتوں کے ذریعہ مردوں کی دیکھ ریکھ اور ان کی خدمت کی ذمہ داری ادا کرنے کا بیان
- عورتوں کے ذریعہ مردوں کی عیادت کا بیان
- عورت کا مرد کی جھاڑ پھونک کرنے کا بیان
- کیا عورت مرد اور مرد عورت کا علاج کرسکتا ہے؟
- عورتوں کے ذریعہ مردوں کو اور مردوں کے ذریعہ عورتوں کو سلام کئے جانے کا بیان
- عورتوں کی بیعت کا بیان

کتب صحیح بخاری کے یہ بعض ابواب ہیں جو دراصل چودہ سو سال پہلے کے آزادی نسواں کے اسلامی تصور کے ابواب کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

۲-نسواں تحریک جدوجہد

کسی کو ہرگز یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ ابتدائے اسلام کے اندر عورت کو حاصل ہونے والا یہ اعلیٰ مقام ومرتبہ، جس نے زمانہ جاہلیت کے قید وبند کو اس سے اتار پھینکا، اس کی صلاحیتوں کو ایک نئی امنگ عطا کر کے اس کے اندر اختراعی توانائیوں کی لہر دوڑا دی، بغیر کسی نسواں جدوجہد اور تحریک کے حاصل ہو گیا ہے، بلکہ اس حریت وآزادی اور حقوق کی بازیابی کے لئے منظّم نسواں تحریکی جدوجہد اور احتجاج کیا گیا ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عورت کے حقوق کو نظر انداز کرنے اور اسے ذلیل شئ سمجھنے کی قدیم روایات موجود تھیں، جو معاشرے کے اندر گھر چکی تھیں اور جن کا محض چند سالوں کے اندر مٹ مٹا کر ختم ہو جانا محال تھا ایسی صورت میں اسلام پر یہ ذمہ داری آن پڑی تھی کہ وہ جاہلانہ ماحول اور رواج کو تبدیل کرے، جس کے لئے کسی ایسی نسواں تحریک جدوجہد کی ضرورت تھی جو ان قدیم جاہلانہ رسوم پر قابو پا سکے۔

یہ حضرت عمر بن الخطاب ہیں جنہوں نے ان قدیم رسوم ورواج کے اندر عورت کی حالت زار، جن میں کہ وہ خود بھی پروان چڑھے تھے، اور اسلام کے ذریعہ عورت کو عطا کی گئی آزادی کے درمیان واضح فرق پر بعض موقع سے اپنی رائے ظاہر کی ہے، بلکہ انہوں نے مکہ کی عورتوں کی ابتر صورت حال اور مدینے میں عورتوں کو حاصل قدر ومنزلت کے درمیان فرق کی صورت حال پر اپنے احساسات کو بیان کیا ہے، وہ صحیحین کی ایک روایت میں فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو ہم کوئی شئ سمجھتے ہی نہ تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں وحی نازل فرمائی اور انہیں حقوق عطا کئے، زمانہ جاہلیت میں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی

ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی جب اسلام آیا اور اللہ تعالی نے وحی کے اندر ان کا ذکر فرمایا تب جا کر ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ عورتوں کے بھی ہم پر حقوق ہیں''۔

اوسط کے اندر طبرانی کی ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں:

'' مکہ کے اندر ہم میں کسی کو اپنی عورت سے بات کرنا بھی گوارہ نہ تھا وہ محض گھر کی نوکرانی تھی، جب ہم انصار کے یہاں مدینہ آئے تو پایا کہ ان کے یہاں تو عورتیں مردوں کے سر پر سوار ہیں اور پھر ہماری عورتیں بھی انصار کی عورتوں کے عادت واطوار اختیار کرنے لگیں''۔

باوجودیکہ حضرت عمر اللہ کے رسول کی وہ احادیث بیان کیا کرتے تھے جن میں مردوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عورتوں کو مساجد میں یا جماعت نماز ادا کرنے سے نہ روکیں، لیکن ان کا قدیم معاشرتی مزاج انہیں اس پر ابھارتا اور مہمیز کرتا کہ وہ اپنی بیوی حضرت عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے جو کہ آپ کی چچازاد بہن بھی تھیں، مسجد کے بجائے گھر میں ہی نماز پڑھنے کی اپنی خواہش کا اظہار کریں باوجودیکہ ان کا گھر مسجد سے بالکل متصل تھا، لیکن بالآخر حضرت عمرؓ نے شریعت الہی اور حدیث نبوی کی حاکمیت کے آگے سپر ڈال دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کی ایک بیوی عشاء اور فجر کی جماعتوں میں شرکت کے لئے مسجد جایا کرتیں ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں مسجد جاتی ہیں، جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمر کو یہ پسند نہیں ہے، انہیں غیرت آتی ہے انہوں نے کہا کہ انہیں مجھے منع کرنے سے کس نے روکا ہے جواب دیا گیا کہ انہیں اللہ کے رسول کے اس قول سے روکے رکھا ہے، '' تم اللہ کی باندیوں کو مسجد جانے سے نہ روکو''۔

جب حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی سے ان کے مسجد جانے سے باز رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ جب تک آپ مجھے راست طور پر نہیں روکتے میں نہیں رکوں گی، حضرت عمر نے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہیں نہیں روکوں گا، چنانچہ وہ مسجد جاتی رہیں اور جماعتوں میں موجود

ہوتیں حتی کہ عشاء اور فجر کی نمازوں میں بھی شریک ہوتیں، حضرت عمر کو جب مسجد میں نیزہ مارا گیا تو ان کی بیوی عورتوں کی صف میں موجود تھیں (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۹۰-۲۷۴، پہلا باب حالات عمر بن خطاب، حالات عاتکہ بنت زید ۸/ ۱۹۳-۱۹۵)۔

اس طرح اسلامی تعلیمات نے آزادی نسواں اور عورت کے ساتھ انصاف کے مسئلہ پر زمانہ جاہلیت کی روایات پر قابو پایا حتی کہ اسے ان شخصیات پر بھی محنت کرنی پڑی جن کے عمل سے اسلامی عدل وانصاف جھلکتا تھا۔

عورتیں مسجد نبوی کی علمی مجالس میں شریک ہوکر دینی ودنیوی امور سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ سے سوال دریافت کیا کرتی تھیں اس کے باوجود ان کی کوشش یہ تھی کہ ان کے لئے بطور ان کے لئے دن اور وقت مقرر کردیا جائے جو انہی کو دین کی باتیں بتانے سکھانے کے لئے خاص ہو، ان کی اس کوشش نے کسی قدر احتجاج کی شکل اختیار کرلی، احتجاج اس بات پر کہ اللہ کے رسول جو مرد وعورت ہر ایک کے لئے یکساں طور پر مبعوث کئے گئے ہیں ان پر مردوں نے اپنا اثر ورسوخ جما رکھا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ ''عورتوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا کہ آپ پر مردوں نے تسلط جما رکھا ہے آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے دن متعین کردیں جن میں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں باتیں سکھائیں جو اللہ تعالی نے آپ کو بتائی ہیں، ان کے اس مطالبے پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ پر جمع ہوجاؤ، چنانچہ وہ جمع ہوئیں، اللہ کے رسول ﷺ پہنچے اور اللہ کی بتائی ہوئی باتیں انہیں بتائیں، بلکہ اس نسواں جدوجہد نے بعض دفعہ منظم شکل اختیار کرلی ہے جس سے عہد نبوی میں ''جمعیت برائے خواتین'' کی ابتدائی اکائی کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔

کتب حدیث میں ''وافدۃ النساء'' کے عنوان سے باب قائم کئے گئے ہیں یعنی اس

''جمعیت برائے خواتین'' کی نمائندگی جس نے اسلامی معاشرے کے اندر موجود عورتوں کا متفقہ مطالبہ آپ ﷺ خدمت میں رکھا، یہ نمائندگی حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ نے ۳۰ھ ۶۵۰ء میں کی جو کہ عہد نبوی کی مشہور خاتون مقررہ تھیں جو'' خواتین اسلام کی جمعیت'' کے مطالبات لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں گئیں میں اپنے پیچھے معاشرے میں موجود عورتوں کی جماعت کی نمائندے کی حیثیت سے آئی ہوں جو میری باتوں اور رائے سے متفق ہیں اللہ تعالی نے آپ کو مرد وعورت کی طرف مبعوث کیا ہے، ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی ہم خواتین گھروں کی چہار دیواری میں بند ہو کر پردے میں رہتی ہیں ہماری سرگرمیاں گھر کے اندر تک ہی محدود ہیں، ہم مردوں کی شہوت پوری کرنے کا ذریعہ ہونے کے علاوہ ان کی اولاد کو اپنے شکم میں پالتی ہیں، جبکہ مردوں کو ہم پر جماعتوں میں حاضری اور جنازے میں شرکت کی برتری حاصل ہے، مرد جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے مال ومتاع کی حفاظت اور ان کے بچوں کی تربیت کرتی ہیں کیا ان کے اجر میں ہمارا بھی حصہ ہوگا؟ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے بہترین ردعمل کا اظہار فرمایا اور کہا کہ عورت کا یہ عملی کردار مردوں کے ان تمام اعمال کی برابری کرتا ہے جن کا تم نے ذکر کیا۔

خواتین کی ان کوششوں کا سلسلہ جاری رہا ہے یہاں تک کہ عورت کی معاشرتی آزادی کے سلسلہ میں اسلام کے بنیادی اصول کی عملی شکل ونوعیت سامنے آ گئی، جس کے ذریعہ اسے بت پرستانہ اور جاہلانہ نظام کے قید وبند سے آزادی ملی اور وہ اجتماعی عمل کے بہت سے شعبوں میں مردوں کے ساتھ شریک ہونے لگی جب کہ ابھی دنیا عورت کی اس خودداری اور آزادی سے نا آشنا تھی۔

درسگاہ نبوت دعوتی اور عام معاشرتی عمل کے ساتھ ساتھ ''انقلابی مردم سازی'' کی اولین تربیت گاہ تھی جس کے ذریعہ مذہب نے اسلام نے تہذیب سے عاری اور مشقت بھری

زندگی گذار رہے بدوؤں کو دنیا کی عظیم الشان تہذیب کا عظیم ترین معمار بنادیا یا جو رات کے عبادت گذار اور دن کے شہسوار تھے، اس درسگاہ نبوت سے فیض پان والوں میں عورت بھی تھی وہ اسی تربیت کدے سے نبوی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل کر نکلی ہے، نبوی معاشرے نے اس وقت مذہب ودعوت کی تاریخ میں ایک نایاب اضافہ کیا جبکہ اس معاشرے کے نفوس کی تعداد آپ کی وفات کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، اس معاشرے نے ''چیدہ ومنتخب افراد'' کا اعلی ترین تناسب پیش کیا، کسی معاشرے کو کسی بھی معاشرتی انقلاب کے اندر یہ کامیابی پہلی بار حاصل ہوئی تھی، صحابہ کرام میں اعلی شخصیات کے تذکرے میں ان منتخب افراد کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی جن میں ایک ہزار سے زیادہ کی تعداد ممتاز ونمایاں خواتین پر تھی، یہ انقلاب محض چند سالوں میں برپا ہوا تھا (ابن الاثیر (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ) مطبوعہ دار الشعب قاہرہ)۔

اسلام نے اس عورت کے سامنے آزادی کا دروازہ چار ویٹ کھول دیا تھا جو زندہ درگور کی جاتی اور وراثت میں بٹتی تھی، اس کی حیثیت ایک گری پڑی چیز سے زیادہ نہ تھی۔

ان چیدہ ومنتخب خواتین میں وہ بھی تھیں سارے علوم میں افضل علم دین میں طاق تھیں، اور ابھی جنہوں نے اللہ کے رسول کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ اور دینی اجتہادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ وہ بھی جنہوں نے خطابت، فصاحت وبلاغت نیز اجتماعی عمل کے بہت سے شعبوں میں مردوں کے دانت کھٹے کر دیئے، یہ سب کچھ اسلامی معاشرے کے ادب ولحاظ کو برتتے ہوئے اس نسوانی فطرت کی پاسداری کے ساتھ تھا جس کے مطابق اللہ تعالی نے انہیں مردوں صفت مخالفت کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔

یہ تفصیلی حقائق اس بات کی ''حقیقی اور عملی دلیل ہیں'' کہ عہد نبوی کے قابل تقلید معاشرتی نہج پر قائم اسلامی معاشرے کے اندر مسجد میں باجماعت نماز سے لے کر جہاد تک کے اجتماعی امور مرد وعورت مشترکہ طور پر انجام دیتے ہیں، اس معاشرے کے اندر عورت کو علاحدہ

کر کے اجتماعی امور کی انجام دہی سے پرے نہیں رکھا جاتا اور نہی مرد وعورت کے درمیان کوئی ایسی فصیل قائم کی جاتی ہے جسے کسی بھی صورت میں عبور کرنے کا کوئی راستہ ہی موجود نہ ہو۔

اسلامی معاشرے کے اندر جو چیز ممنوع اور حرام ہے وہ خلوت ہے جس سے مرد وعورت سے اس کے محرم کی غیر موجودگی میں اور تنہائی میں نامحرم کا ملنا ہے، نہ یہ کہ مل جل کر اجتماعی امور کی اس انجام دہی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو باہمی شرکت کے اسلامی آداب کے مطابق ہو جن کے مرد وعورت دونوں یکساں طور پر مکلّف ہیں، بایں ہمہ اس انجام دہی میں حلال وحرام کی اسلامی قدریں بھی ملحوظ ہوں جن کی رعایت مرد وعورت ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔

چنانچہ نچ شرعی کی رو سے محرم کے بغیر عورت سے کسی مرد کا تنہائی میں ملنا ممنوع ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی بخاری شریف کی ایک روایت ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد ہرگز تنہائی میں کسی عورت سے نہ ملے الا یہ کہ کوئی محرم موجود ہو۔

اسلامی معاشرے کا سواد اعظم اپنی پوری تاریخ کے اندر مل جل کر اجتماعی امور کی مشترکہ انجام دہی کی روش پر قائم رہا ہے جو اسلام نے اس کے لئے متعین کی ہے، البتہ یہ انجام دہی عورت اور نامحرم کے درمیان خلوت کی حرمت کے اسلامی اصولوں اور قدروں کے مطابق ہوتی ہے، یہ روش گاؤں دیہات کے اسلامی معاشرے، شہروں اور حکومتی مراکز کے قبائلی محلوں میں آج تک قائم ہے جو جمہور مسلمان خانوادوں ۸۵٪ پچاسی فیصد سے زیادہ کی نمائندگی کرتے ہیں، عورتوں کو صرف شہروں کے ''ترقی یافتہ محلوں'' اور انہی جیسے خانوادے اور کنبوں کی معاشرتی ٹکڑیوں میں الگ تھلگ رکھا جاتا ہے، ان کی اس حرکت نے عورت کو زمانہ جاہلیت جیسے حالات تک دوبارہ پہنچا دیا ہے معاشرہ نبوی کے برعکس اس صورت حال کی نمائندگی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

و من غاية المجد والمكرمات بقاء البنين وموت البنات

(انسانی معاشرے کے لئے مجد وشرافت کی انتہا پر ہے کہ بیٹے زندہ وسلامت رہیں اور بیٹیاں موت کو گلے سے لگائیں)۔

ایک دوسرے شاعر نے عورتوں کو ایک ایسے عیب سے تعبیر کیا ہے جسے قبر ہی چھپا سکتی ہے۔

ولم أر نعمة شملت كريما كنعمة عورة سترت بقبر

(میں نے معاشرے کے اندر ایسی کوئی نعمت نہیں دیکھی جو عورتوں کے پر عیب وجود کی طرح خوبیوں کا مرقع ہو جسے قبر ہی چھپا سکتی ہے)۔

اسلامی معاشرے کا سواد اعظم بہت حد تک اپنے تہذیبی زوال کے باوجود آج بھی دوسری معاصر تہذیبوں کی بہ نسبت عورتوں کی سب سے زیادہ عزت واحترام کرتا ہے، اسلامی معاشرے میں عورتوں کو جو قدر ومنزلت حاصل ہے وہ نا قابل بیان ہے۔

۳-شرعی اصول ''سد باب'' کی متوازن عملی شکل

فقہی اصول وضوابط کے اندر ''سد باب'' وہ ضابطہ ہے جس کے تحت اختلاط اور اجتماعی عمل کے اندر مرد وعورت کی شرکت کے مسئلہ پر فیصلہ کیا جاتا ہے، یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے اندر ''سد باب'' کے اس ضابطے کی حیثیت قاعدہ کلیہ کی ہے جس کو عملاً تطبیق دینے میں میانہ روی کے اسلامی نہج کو اختیار جانا ضروری ہے تا کہ افراط وتفریط کے تجاوز سے بچتے ہوئے شرعی مقاصد بروئے کار لائے جاسکیں۔

- حلال کھانا جائز ہے، حلال کھانے کی بعض شکلوں یا زیادہ کھا لینے کی صورت میں لاحق ہونے والے امراض کے سد باب کے لئے حلال کھانے کو ہی حرام قرار دینا جائز نہیں۔
- پانی پینا حلال اور جائز ہے مشرق کے سد باب کے لئے پانی پینے کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔
- زبان انسانوں کے لئے خدا کی ایک نعمت ہے جس پر دروغ گوئی کے سد باب کے لئے روک لگانا جائز نہیں چہ جائیکہ زبان کے جھوٹ بولنے کے ذریعہ ہونے کی بنا پر کاٹنا جائز ہو۔

عضو تناسل کثرت اولاد اور نوع انسانی کی بقا کا ذریعہ ہے اسے زنا کا ذریعہ ہونے کی بنا پر زنا کے سد باب کے لئے کاٹنا جائز نہیں۔

اس پر آنکھ، کان، اور لمس (چھونے کی حس) جیسی انسانی صلاحیتوں اور ملکے کو قیاس کرلیں۔

جائز اور جواز کے اپنی اصل پر باقی رہتے ہیں، وہ جواز سے نکل کر حرمت و کراہت کے دائرے میں اس وقت تک نہیں آتے جب تک کہ نفس عمل کے اندر برائی کا تحقق نہ ہو جائے یا اس کے اندر اضافہ نہ ہونے لگے، یہی وجہ ہے کہ ''سد باب'' کے ضابطے کو عملی شکل دینے میں انتہائی احتیاط برتنا ضروری ہے، جو خوبیوں اور خامیوں کے درمیان باریک بینی کے ساتھ موازنہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے ہر طرح کے جائز امور کو برتنے کے سلسلہ میں شرعی حکمت عملی کا معیار یہی ہوتا ہے، چنانچہ جائز امور سے روکنے میں جن میں اسلامی معاشرے کے اندر مرد و زن کے اختلاط کا مسئلہ بھی شامل ہے، ''سد باب'' کے مندرجہ ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

۱- کوئی جائز عمل عام طور سے شرعی قباحت کا سبب بنتا ہو، شاذ و نادر کا یہاں کوئی اعتبار نہیں اور امام شاطبی (۷۹۰ھ، ۱۳۸۸ء) کے نزدیک کثرت کا اعتبار ہے عام طور سے یا شاذ و نادر پائی جانے والی قباحت کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲- کسی جائز عمل کے اندر منفعت کی بہ نسبت مضرت کا امکان زیادہ ہیں، محض مضرت کا امکان کافی نہیں۔

۳- مذکورہ بالا دونوں شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی قطعی حرمت ثابت نہ ہوگا، بلکہ مضرت کے بقدر ضرورت و کراہیت کا حکم لگایا جائے گا۔

۳- اگر سبب مضرت تو پائی جانے لیکن اس کی بہ نسبت منفعت کا پہلو زیادہ راجح ہو تو شریعت کی نظر میں وہ صرف مباح ہی نہ ہوگا، بلکہ منفعت کے بقدر مستحب یا واجب ہوگا (تحریر المرأۃ فی عصر الرسالہ ۳/ ۱۹۰)۔

بہت سے اہل علم مرد و عورت کے ربط، اور اجتماعی کاموں میں مشترکہ طور پر ان کی شرکت کے ضمن میں سد باب کے ضابطے کو عملی شکل دینے میں وسعت سے کام لیتے ہیں، ان کی اس وسعت پسندی کے پیچھے ان کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی دینی زندگی کے مثالی معاشرے کو

پیش کرنے کی سچی خواہش کارفرما ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اسلام کے اس بنیادی حقیقت سے بے بہرہ ہوتے ہیں جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مثالی نمونہ صرف اور صرف اسلام ہے اور اس اسلامی نمونے کی انسانی معاشرے میں بازیابی حتی عہد نبوت میں بھی ایک محال امر ہے، کیونکہ نرے انصاف، اصلاح کامل، بے غبار عمل خیر اور گناہوں سے منزہ خدائی صفت کمال کا نام اسلامی نمونہ ہے، جبکہ اللہ تعالی انسانوں اور پھر انسانی معاشرے کو خیر وشر کے امتزاج اور اصلاح وبگاڑ کے مرکب کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے، تاکہ انسانوں کی پوری زندگی اور پورا معاشرہ فتنہ اور ابتلاء وآزمائش کی جگہ ہو، حق جل مجدہ کا یہ فرمان ہے: "**ونبلونکم بالشر والخیر فتنة**" (سورہ انبیاء:۳۵) (ہم تمہیں خیر وشر کے فتنے کے طور پر آزماتے ہیں اور تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے)۔

اور نبی برحق کا فرمان ہے جسے حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ ہر انسان گنہگار ہے اور بہتر گنہگار وہ ہے جو توبہ کرلے (بروایت ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد)۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حدیث قدسی کے اندر ارشاد فرمایا: "ہر انسان دن رات غلطیوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے پھر ہم سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں اس کی غلطیوں پر نظر نہیں کرتا" (بروایت مسلم واحمد)۔

ہم ان کتابوں سے یہ کہیں چاہیں گے جن کی ضرورت سے زیادہ دینی اخلاص نے انہیں انسانی معاشرے کے اندر مثالی اسلامی نمونہ کی باریابی کے لئے جدوجہد پر کمربستہ کر رکھا ہے، جب انسان حقیقتاً اسلام کے مثالی نمونے کو بازیاب کرلے گا تو اس وقت وہ اس دنیا میں اجنبیت، ناامیدی، مایوسی اور بے عملی کا شکار ہوجائے گا بایں طور کہ اسے جب زندگی کے تمام شعبوں میں کمال کا درجہ حاصل ہوجائے گا اور ساری آرزوئیں برآئیں گی تو پھر کاروبار زندگی سے اس کی دلچسپی ختم ہوجائے گی، انسان کے سلسلہ میں مشیت الٰہی کا منشا یہ ہے کہ وہ زمین کی آبادکاری کے مشن کو جاری وساری اور دنیا کی شادابی ورونق وبہار کو قائم ودائم رکھنے کے لئے

انسان جب بھی اس مثالی نمونے کو اپنی زندگی میں اتارنے کے لئے چند قدم آگے بڑھے (گناہوں کے سرزد ہونے کے سبب) اس سے کسی قدر دور ہو جائے گا تا کہ انسان کے سامنے امیدوں اور آرزوؤں کا میدان ہمیشہ کھلا رہے۔ چنانچہ علمی پیش رفت جس سے کائنات وعالم کے بارے میں انسان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور جیسے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اس کی اپنی جہالت پر سے پردہ اٹھتا چلا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل علم کے سامنے علمی بحث وتحقیق کا دائرہ کار انتہائی اہم تشنہ موضوعات سے بھرا پڑا ہے۔

مسلم معاشرے کے اندر معاشرتی تحفظات ہی اسلامی نمونہ زندگی کے عملی دائرہ کار کو وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں جس کے ذریعہ آئندہ قریب کے ہی دنوں میں ایک مسلمان کے سامنے معاشرتی دائرہ روز افزوں پھیلتا اور ترقیاتی مہم سر کرتا چلا جائے گا، جہاں اس کا ہدف مکمل معاشرتی ہوگا، جو اسے ہمہ وقت انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت وکاوش، ایک دوسرے کو آگے بڑھانے اور بڑھنے کی دھن میں محور رکھے گا۔

اسلامی نمونے کا یہ کردار اور اس سلسلہ میں حساسیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم ''سد باب'' کے اصول کو خیر وشر کے درمیان موازنہ کر کے محملی شکل دیں نہ یہ کہ صرف اس خالص خیر کو معیار بنالیں جس میں شر کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اگر اسلامی نمونے سے عہد نبوی کے معاشرے کی عملی مطابقت کو سامنے رکھیں تو ایسے عملی حقائق ہمارے سامنے آئیں گے جو مذکورہ بالا حقیقت پر ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں جو ہم میں سے بعض کے سامنے کامل نمونے کو عملی شکل دینے میں ان کی ضرورت سے زیادہ دلچسپی کی وجہ سے نہیں آسکے ہیں۔

عہد نبوی کے مخلوط معاشرے کے اندر عورتیں کھیتوں پر جایا کرتی تھیں، وہ بازار جاتیں، مردوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں عشاء وفجر کی نمازوں میں شریک ہوتی تھیں مزید یہ

کہ گھروں میں عورتوں کے پاس مرد ملنے کے لئے جایا کرتے تھے حتی کہ شوہر کی عدم موجودگی میں بھی جایا کرتے تھے، بعض بے راہ رویوں سے متعلق جب شکوک وشبہات ظاہر ہونے لگے بطور خاص ایسی عورت کے پاس جانے کے سلسلہ میں جس کا شوہر سفر تجارت یا جہاد پر گھر سے باہر ہو، ایسی صورت میں بھی اللہ کے رسول نے اختلاط سے منع نہیں فرمایا، اور نہ ہی گھر سے غائب لوگوں کے گھروں پر جانے سے روکا، آپ ﷺ نے صرف نامحرم کو اس عورت سے تنہائی میں ملنے سے روکا ہے جس کا شوہر گھر پر موجود نہیں اور اختلاط کے جواز کو اپنی جگہ برقرار رکھا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ''آج کے بعد کوئی بھی مرد کی ایسی عورت کے پاس ہرگز نہ جائے، جس کا شوہر گھر پر موجود نہ ہو الا یہ کہ اس کے ساتھ ایک یا دو آدمی موجود ہوں''، اس طرح آپ ﷺ نے خلوت کی حرمت وصراحت کے ساتھ بیان فرمادی ہے اور اس کے مرتکب کے لئے عبرتناک سزا کی وعید بھی سنادی، اور اختلاط کے اصل حکم جواز کو علی حالہ باقی رکھا۔

جب بعض منافقین نے قضاء حاجت کے لئے جاتے وقت بعض خواتین کے پیچھے پڑنے کی روش اختیار کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں گھر سے نکلنے سے منع نہیں فرمایا، اس موقع سے قرآن کریم نے عورتوں کی دینی غیرت وحمیت کو ابھارا جو معزز خواتین کا امتیازی وصف تو ہے ہی، سنجیدگی اور اسلامی شعار سے ان کی وابستگی کا اظہار بھی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بے ہودہ قسم کے منافقین عورتوں کے پیچھے پڑنے کی اپنی روش سے باز آگئے، ''**يا أيها النبى قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين وكان الله غفوراً رحيما**'' (احزاب:۵۹) (اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہوجایا کرے گی پھر یہ نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے)۔

بلکہ اللہ تعالی نے اس آئینی آیت کریمہ کا اختتام اس جملہ پر کیا کہ وہ غفور رحیم ہے (انتہائی رحمت ومغفرت والا ہے)۔

جب حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں رات کو گشت کے دوران ایک عورت کے مافی الضمیر کو سنا جس کا شوہر جہاد پر گیا ہوا تھا، جو اپنے شوہر کی بانہوں میں اپنی جائز فطری خواہش کو پورا کرنے کے سلسلہ میں اپنے پاکیزہ نسوانی جذبات اور امنگوں کو الفاظ کا جامہ پہنچاتے ہوئے یہ اشعار گنگنا رہی تھی:

تطاول هذا الليل وأسود جانبه وطال على ألا خليل ألاعبه
والله لو لا خشية الله وحده لحرک من هذا السرير جوانبه
ولكن ربى والحياء يكفنى وأكر بعلى أتوطى مراكبه

(رات لمبی ہوتی جارہی ہے، اور اس کا دامن تاریک ہوتا جارہا ہے، اس لمبی رات میں کوئی میرا رفیق زندگی نہیں ہے جس کے ساتھ میں موج مستی کروں، خدا کی قسم اگر خدائے واحد کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میں اس چارپائی کو ہلا کر رکھ دیتی، لیکن میرے رب اور میری حیاء نے مجھے روکے رکھا ہے اور میرے شوہر کی آبرو کا مقام ومرتبہ اس سے فروتر ہے کہ اس کی جائے شہوت کو پامال کیا جائے)۔

حضرت عمرؓ نے ان اشعار کو سننے کے بعد جائز جذبات، حلال لطف اندوزی اور بیوی کے بغیر شوہر کے سفر پر کوئی پابندی عائد نہیں کی، انہوں نے اس تمام تقاضوں کی کڑیوں کو تجربہ کاروں سے مشورے کے بعد ایک نظام میں پرودیا، آپ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا، اے میری بیٹی مرد کے بغیر عورت کتنے دن تک صبر کرسکتی ہے، انہوں نے جواب دیا سبحان اللہ! (اللہ کی ذات پاک ہے)، آپ جیسے ہم جیسوں سے یہ سوال کرتے ہیں؟ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ اگر اس مسئلہ پر مسلمانوں کی رائے معلوم کرنا پیش

مقصود نہ ہوتا تو میں تم سے یہ سوال نہ کرتا، انہوں نے جواب دیا، پانچ مہینے، چھ مہینے، حضرت عمر نے جہاد پر جانے کی مدت چھ ماہ کردی، ایک مہینہ میں سفر کر کے محاذ پر پہنچنے میں صرف ہوتا چار مہینے محاذ پر قیام کے اور ایک مہینہ واپس کے لئے۔

عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں پیش آئندہ مسئلہ کے حل کو اس انداز سے موزوں عملی شکل دیجاتی تھی، غلطیوں، لغزشوں اور شکوک وشبہار کو اتنے میں منفعت ومضرت کا موازنہ کر کے صورتحال کو صحیح رخ دیا جاتا تھا، تا کہ لوگ مسلسل اور ہمیشہ معاشرتی زندگی کے مثالی نمونے قریب تر ہوتے وہیں نہ یہ کہ ''سد باب'' کے طور پر مکمل اسلامی نمونے کو زندگی میں اتارنے کے فراق میں جائز امور کو حرام قرار دیدیا جاتا تھا۔

آزادی نسواں کا یہ اسلامی نہج عورت کی ذاتی حیثیت اور اجتماعی عمل کے جملہ شعبوں میں مردوں کے ساتھ اس کی شرکت پر مبنی ہے، جو عورت کو عورت باقی رکھتے ہوئے اسے مردوں سے ہم آہنگ اور اس کے مساوی بنا دیتا ہے، اور یہ مساوات دو باہم مختلف صنفوں کو ہم آہنگ کرتا ہے جن کے ذریعہ نوع انسانی خالق کائنات کی مرضی ومنشا اور رسول برحق کی عملی تطبیق کے عین مطابق کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوتی ہے۔

دوسرا باب

آزادی نسواں کے طرز فکر پر پانچ شبہات

پہلا شبہ: میراث کے اندر عورت کا حصہ مرد کے آدھا
دوسرا شبہ: مرد کی بہ نسبت عورت کی نصف گواہی
تیسرا شبہ: عورت دینی اور عقلی طور پر ناقص
چوتھا شبہ: عورت کی سربراہی قوم کی نامرادی کا باعث
پانچواں شبہ: عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کی برتری

عورت کی ذاتی حیثیت، مردوں کے تئیں ان کے مقام ومرتبے اور معاشرتی امور میں ان کی شرکت کے مواقع کے تعلق سے اسلامی طرز فکر میانہ روی پر مبنی ہے، جو عورتوں انصاف کرتے ہوئے انہیں مردوں کے مساوی قرار دیتا ہے، البتہ مرد عورت کے درمیان فطری فرق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، عورت عام معاشرتی امور کے اندر مرد کی سرپرستانہ کردار کی ادائیگی میں شریک وسہیم ہوتی ہے اور اس کی یہ شرکت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے تحت ہوتی ہے۔

اس مسئلہ پر میانہ روی اور انصاف پر مبنی اسلامی طرز فکر کے خلاف زبردست ہنگامہ آرائی اور اعتراضات کی بوچھار ہوتی ہے اس فکر کے بنیادی عناصر کی مکمل وضاحت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس پر کئے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے، کیونکہ اسلامی دعوت کا اسلوب یہ نہیں رہا ہے کہ صرف دعوت دے کر حجت قائم کردی جائے بلکہ اس پر جو شکوک وشبہات کئے جارہے ہیں ان کا ازالہ بھی حد درجے ضروری ہے۔

چونکہ ہمارا یہ فکری اسلوب جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں وسطیت کی حامل ہے، بالفاظ دیگر درست اسلامی نہج پر قائم ہے، دونوں غلو پسند بازوؤں نے اس فکر کے خلاف شکوک وشبہات کا مورچہ کھول رکھا ہے، تہذیبی دور انحطاط کے سرمایہ کی تقلید اور جمود پر مبنی غلو پسندی، اور لادینیت کی حامل سیکولر تقلید وجمود پر مبنی غلو پسندی کے دونوں بازوؤں کا متفقہ طور پر جمع ہوجانا آج اس سیاسی مقولے کی تصدیق کرتا ہے کہ دائیں اور بائیں بازو کی انتہاء پسند جماعتیں کسی مشترکہ پلیٹ فارم پر غلط موقف کی حمایت میں ہی اکٹھا ہوتی ہیں، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ غلو پسندی کے دینی اور لادینی دونوں دھڑے ان پانچوں شبہات کو متفقہ طور پر پیش کرتے ہیں، غلو پسندوں کا دینی طبقہ جو عادات واطوار اور جمود کے شکار قدیم رسومات کو اسلام پر محمول کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ انہیں دین بنا ڈالا ہے بلکہ عورت کی مکمل ذاتی حیثیت اور عام معاشرتی اس کی شرکت کے لئے ان عادات ورسوم دینی طور پر بھی سمجھتے ہیں جبکہ سیکولر غلو پسند ان قدیم رسوم کو ایسے دینی اڑچن سے تعبیر

کرتے ہیں جوعورت کی ذاتی حیثیت کی تکمیل کے لئے مانع اوراس کی ناقص ذاتی حیثیت کے لئے ذمہ دار ہیں، اسی بنیاد پر وہ آزادی نسواں کے اسلامی حل کو کالعدل قرار دیتے ہوئے اس کا حل مغربی طرز فکر کے اندر ڈھونڈنے پر زور دیتے ہیں۔

اصول اور رجحانات کے اندر اپنے اختلافات کے باوجود غلو پسندوں کے دینی اور لادینی دونوں طبقے ان پانچ شبہات کو ہوا دیتے ہیں، دینی طبقہ انہیں دین سمجھتا ہے لہذا وہ ان کی دفاع کرتا ہے، دوسری طرف اور دینی طبقہ بھی ان شبہات کو دین سمجھتا ہے اسی بنا پر وہ مذہب اسلام کو ہی مسترد کرتا ہے، چنانچہ اس نوعیت کی تحقیقی بحث کے اندر ان شبہات کے ازالہ کو بیک وقت دو محاذوں پر فکری جہاد سمجھا جانا چاہئے، ایک تقلید وجمود کا شکار دینی محاذ ہے، جبکہ دوسرا مغرب نواز، تقلید وجمود کا شکار لادینی محاذ عورت کی ذاتی حیثیت اور عام معاشرتی عمل کے اندر مردوں کے ساتھ اس کی شرکت پر کئے جانے والے پانچ شبہات یہ ہیں:

۱- اسلام کے اندر میراث سے عورت کو حصہ مرد کے آدھا ملتا ہے، **للذکر مثل حظ الأنثیین** (مرد کا حصہ دو عورتوں کے بقدر ہے) سیکولر طبقے کے مطابق اس تقسیم کی رو سے عورت کی ذاتی حیثیت کی تنقیص لازم آتی ہے جو اسے مکمل انسان سے نصف انسان بنا دیتی ہے۔

۲- اسلام عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کا نصف قرار دیتا ہے، آیت ہے: "**فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان**" (اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں) یہاں بھی اس کی حیثیت کو کم کر کے اسے نصف انسان بنا دیا گیا ہے۔

۳- اسلام حدیث نبوی کی روشنی میں عورت کو دینی اور عقلی اعتبار سے ناقص قرار دیتا ہے اس طرح اس کی بے حیثیتی کو آئینی اور شرعی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، جو اس کے مردوں کے مساوی ہونے کے منافی ہے۔

۴- اسلام نے اجتماعی امور میں سرپرست کی حیثیت سے عورت کی شرکت کو شرعاً

ممنوع قرار دیا ہے، جب اسے اجتماعی امور میں سرپرستانہ ذمہ داری دیجاتی ہے تو اسلام اس کی ناکامیابی کا پیشگی اعلان کرتا ہے: "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنالیا ہو۔

۵- اسلام کے ذریعہ عورتوں پر مردوں کے عطا کئے گئے صفت قوام کی برتری کا جو عمومی مفہوم دینی اور لادینی طبقوں کے اندر رائج ہے، اس کی بنیاد پر دونوں طبقوں متفقہ موقف یہ ہے کہ صفت قوام عورت کی کامل ذاتی حیثیت، اور مردوں کے مساوی اس کے مرتبے کی تنقیص کرتا ہے، اس لئے کہ یہ صفت قوام عورتوں کو ان کے قوام مردوں کے آگے مجبور و بےبس اور قیدی بنا کر ڈالد یتا ہے۔

یہی وہ پانچ شبہات ہیں جو غلو پسند دینی طبقے کے ذہن میں پھل پھول رہے ہیں جنھوں نے تہذیبی دورانحطاط کے قدیم معاشرتی مروجات کو دین بنالیا ہے اور اسی پر ان کی دینداری قائم ہے، اور یہی شبہات سیکولر طبقے کے دماغ میں بھی پک رہے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے آزادی نسواں کے اسلامی طریقے کو مسترد کردیا اور لادین مغربی نہج میں اس کا متلاش ہوگیا۔

ان شبہات پر اسلامی نقطہ نظر سے محاکمانہ بحث ضروری ہے تاکہ ان شبہات کی عدم معقولیت اور ان کے عیوب ونقائص سے اسلام کی براءت ثابت ہوسکے۔

پہلا شبہ:

میراث کے اندر مرد کی بہ نسبت عورت کا نصف حصہ

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی آیات میراث کے اندر یہ آیت کریمہ وارد ہوئی ہے: "**للذکر مثل حظ الأنثیین**" (مردوں کا حصہ دوعورتوں کے حصے کے بقدر ہے) لیکن بہت سے لوگ جو اسلام کے اندر عورت کی ذاتی حیثیت پر شبہات پیدا کرتے ہیں اور میراث کے اندر مرد وعورت کے مابین اس فرق کو اپنے شبہ کا ذریعہ بناتے ہیں، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرد کے آدھا عورت کو ملنے والا یہ حق میراث اس سلسلہ میں اسلام کا کوئی عمومی موقف نہیں ہے اور نہ ہی جملہ مرد وعورت کی وراثت کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے، قرآن کریم نے یہ نہیں کہا ہے کہ اللہ تعالی تمہیں وارثین اور ان کی وراثت کے سلسلہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ دوعورتوں کے حصے کے بقدر ایک عورت کا حصہ ہوگا، بلکہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالی نے تمہیں اپنی اولاد کے سلسلہ میں دوعورتوں کے بقدر ایک مرد کے حصے کا حکم دیتا ہے، یعنی یہ فرق وراثت کی جملہ صورتوں کے لئے قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ اس فرق کا تعلق وراثت کی صورتوں میں سے ایک مخصوص اور متعین وراثت کی صورت سے ہے۔

اسلام کے فلسفہ میراث کی صحیح سوجھ بوجھ کے بعد یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ وارث مرد وعورت کے حصے میں موجود اس فرق کا معیار مرد ووزن ہونا نہیں ہے، میراث کے اس مذکورہ دینی فلسفے کے اندر باری تعالی کی حکمت ومقاصد کارفرما ہیں جو ان لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں جنہوں نے مرد وعورت کے درمیان میراث کے بعض مسائل اور صورتوں کے اندر فرق کو

اسلام میں عورت کی ذاتی حیثیت کے مکمل ہونے پر شبہ کی وجہ بنالیا ہے۔ اسلام کے فلسفہ میراث کے اندر مرد وعورت ورثاء کے درمیان پائے جانے والا فرق مرد وزن کے درمیان تفریق میراث کے تین اصولی معیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اول: میت کے مرد وعورت ورثاء کے مابین درجہ قرابت، میت سے جو جتنا قریب ہوگا میراث میں اس کا اتنا ہی زیادہ حصہ ہوگا، اور جو جتنا دور ہوگا اس کا حصہ اتنا ہی کم ہوگا ورثاء کی صنف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوم: پشتینی سلسلہ کے کسی مرحلہ میں ورثاء کی پیڑھی واقع ہے، چنانچہ وہ پیڑھی جو زندگی کے ابتدائی کے مرحلہ میں ہو اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکتی ہو عموماً اس کا حصہ اس پیڑھی سے زیادہ ہوتا ہے جو زندگی کے آخری مرحلہ میں ہو اور کم سے کم ذمہ داریوں کی متقاضی ہو بلکہ ان کی ذمہ داریاں دوسروں کے ذمہ ہوتی ہوں، یہاں پر ورثاء کے مرد وزن ہونے کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں ہے، چنانچہ میت کی بیٹی کا حصہ اپنی ماں سے زیادہ ہوتا ہے، حالانکہ دونوں ہی عورت ہیں بلکہ بیٹی کا حصہ میت کے باپ سے بھی زیادہ ہوتا ہے خواہ وہ دودھ پیتی بچی ہی کیوں نہ ہو، اور اسے اپنے فوت شدہ باپ کی شکل بھی یاد نہ ہو حتی کہ میت کا باپ جو اپنے بیٹے کے مال کی بنیاد ہوتا ہے میت کی بیٹی اس کے ساتھ مل کر اکیلے آدھے کی حقدار ہوتی ہے اسی طرح میت کا اس بیٹا اس کے باپ سے زیادہ مال کا وارث ہوتا ہے جب کہ دونوں ہی مرد ہیں۔

اسلام کے فلسفہ میراث کے اس اصولی معیار کے اندر باری تعالی کی حکمت بالغہ اور اعلی مقاصد کارفرما ہیں جس سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں، ان اصولی معیاروں کا مرد وزن ہونے سے مطلقاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوم: وہ مالی بوجھ جس کی ذمہ داری اسلامی شریعت وارث پر ڈالتی ہے جس کی ادائیگی اور انتظام دوسروں کے برعکس وارث کرتا ہے، یہ واحد اصولی معیار ہے جس کے نتیجے میں

مرد وعورت کے درمیان تفریق ہوتی ہے، لیکن یہ فرق عورت پر کسی ظلم یا ناانصافی کا سبب نہیں بنتا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ بسا اوقات اس کے برعکس پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اگر ایسی صورت ہو کہ ورثاء درجہ قرابت میں یکساں ہوں ساتھ ہی وہ پشتینی سلسلہ کی ایک ہی پیڑھی سے ہوں جیسے میت کی اولاد مرد وعورت تو مالی ذمہ داری ہی میراث کے حصوں میں فرق کا سبب بنے گی، اسی لئے قرآن کریم نے مرد وعورت کے درمیان اس فرق میں جملہ وارثین کو شامل نہیں کیا ہے، جبکہ اسے اسی مخصوص صورت کے ساتھ خاص رکھا ہے، آیت کریمہ ہے: "**یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین**" (اللہ تعالی تمہاری اولاد کو حکم دیتا ہے دو عورتوں کے بقدر مرد کے حصے کا) یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالی جملہ وارثین کے بارے میں حکم دیتا ہے، اور اس خاص صورت میں فرق کی حکمت یہ ہے کہ اس صورت میں مرد اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کا مکلّف ہے، جبکہ اسی صورت میں عورت جو کہ مرد کی بہن ہوگی، اس کی اور بچوں کی کفالت اس کے شوہر کی ذمہ داری ہے تو باوجودیکہ اسے میراث میں بھائی کے آدھا ملا ہے آدھا ملا ہے اور بھائی کو اس کے دوگنا ملا ہے اس نے بھائی سے زیادہ پایا ہے اور وہ اپنے حصے میں اپنے بھائی پر فائق رہی کیونکہ اسے جو وراثت ملی ہے اس کے ساتھ اخراجات کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے وہ صرف اس کا مالی حق اور جمع شدہ پونجی ہے، جو کمزور نسوانی ساخت کی تلافی، زمانے کے الٹ پھیر اور خطرات سے اس کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے، خدا تعالی کی یہی وہ حکمت ہے جس تک پہنچنے سے بہتوں کی نظر قاصر ہے۔

یہ ہے مرد وعورت ورثاء کے درمیان فرق کا دینی فلسفہ جس سے دونوں غلو پسند طبقے بے بہرہ ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میراث کا یہ جزئی فرق اسلام میں عورت کی حیثیت کے مکمل ہونے میں شبہ پیدا کرتا ہے، علم فرائض کے اندر مذکور میراث کے مسائل اور اس کی صورتوں کے جائزے سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ ان بہت سارے لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہے جو اس مسئلے پر فکری

کوتاہی اور غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں، میراث کے مسائل اور صورتوں کے جائزے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے:

۱-صرف چار صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت کو مرد کے آدھا حصہ ملتا ہے۔

۲-ان چار صورتوں سے کئی گنا زیادہ صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے بالکل برابر ہوتا ہے۔

۳- دس یا اس سے زیادہ ایسی صورتیں ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے۔

۴- یہاں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں صرف عورت کو حصہ ملتا ہے جب کہ مسئلہ کی اسی صورت میں مرد کو کچھ نہیں ملتا۔

یعنی یہاں تیس سے زیادہ ایسی صورتیں ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا ہے، یا عورت کو حصہ ملتا ہے جبکہ مسئلہ کی اسی صورت میں اس کے ہم مثل مرد کو کچھ نہیں ملتا۔ دوسری طرف صرف چار متعین ایسی صورتیں ہیں جن میں عورت کو مرد کے آدھا حصہ ملتا ہے۔

علم الفرائض کے اندر میراث کے مسائل اور صورتوں کے جائزے کے یہ نتائج ہیں جنہیں میراث کے اسلامی فلسفہ کے ذریعہ متعین کردہ اصولی معیار پر پرکھا گیا ہے، وہ مرد وزن کے صنفی معیار پر موقوف نہیں ہیں جیسا کہ بہت سے ناواقف سمجھتے ہیں۔

اس طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی حیثیت واہلیت پر اٹھائے جانے والے پانچ شکوک وشبہات میں پہلے شبہ کا شرعی نقطہ نظر سے ازالہ ہو گیا ہے۔

دوسرا شبہ:

مرد کی بہ نسبت عورت کی نصف گواہی

دوسرا پرفریب شبہ عورت کی گواہی کے سلسلہ میں اسلام کے موقف پر کیا جاتا ہے، شبہ کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اسلام نے عورت کو نصف انسان بنادیا ہے کیونکہ اس نے عورت کو گواہی کو مرد کی گواہی کا نصف قرار دے دیا ہے، اس سلسلہ میں سورہ البقرہ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

'یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یأب کاتب أن یکتب کما علمه الله فلیکتب ولیملل الذی علیه الحق ولیتق الله ربه ولا یبخس منه شیئاً فإن کان الذی علیه الحق سفیهاً أو ضعیفاً أولا یستطیع أن یمل هوفلیملل ولیه بالعدل واستشهدوا شهیدین من رجالکم فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحداهما فتذکر إحداهما الأخری ولا یأب الشهداء إذا ما دعوا ولا تسألوا أن تکتبوا صغیراً أو کبیراً إلی أجله ذلکم أقسط عند الله وأقوم للشهادة وأدنی أن لا ترتابوا إلا أن تکون تجارة حاضرة تدیرونها فلیس علیکم جناح أن لا تکتبوها واشهدوا إذا تبایعتم ولا یضار کاتب ولا شهید وإن تفعلوا فإنه فسوق بکم واتقوا الله ویعلمکم الله والله بکل شیئ علیم'' (سورہ بقرہ:۲۸۲)۔

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس میں معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالی نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہئے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالی سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر ناداں یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے اور گواہوں کو چاہئے کہ وہ جب بھی بلائے جائیں تو انکار نہ کریں، اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالی کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو اور یاد رکھو کہ نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو تمہاری یہ کھلی نافرمانی ہے، اللہ تعالی سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔

اس شبہ میں مبتلا ہونے والوں کے بقول اس شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ اسلام نے عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف قرار دے کر عورت کی حیثیت گھٹا دی ہے، "**فإن لم یکونا رجلین فرجل و امرأتان**" (اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں)۔

یہ دراصل "گواہی دینے" اور "گواہ بنانے" کے مفہوم کو خلط ملط کرنے کا نتیجہ ہے۔ آیت کریمہ گواہ بنانے سے متعلق ہے، چنانچہ وہ گواہی جس پر قضاء کے اندر دلائل پر مبنی انصاف سے پردہ اٹھانے اور معاملے کے دونوں فریق کے دعوؤں سے انصاف اخذ کرنے کے سلسلہ میں

اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس گواہی کے سچے یا جھوٹے ہونے یا قبول اور رد کرنے کے سلسلہ میں اس بات کو معیار نہیں بنایا جاتا کہ گواہی دینے والے مرد ہیں یا عورت، گواہی کا معیار یہ ہے کہ قاضی کو گواہی کی سچائی پر اطمینان حاصل ہو جائے قطع نظر اس کے کہ گواہ کی صنف کیا ہے وہ مرد ہے یا عورت اور اس کی تعداد کتنی ہے، چنانچہ قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر اس کا ضمیر دلیل قائم ہونے پر مطمئن ہو جائے تو وہ دو مرد یا ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی پر اعتماد کر لے، مرد و عورت ہونے کا کوئی اثر گواہی پر نہیں پڑتا فیصلہ کی بنیاد گواہی سے فراہم ہونے والے بینہ پر ہوتی ہے۔ رہی سورہ بقرہ کی آیت: "**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرى**" (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہیوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلائے)

اس آیت کریمہ کے اندر قضاء کے سامنے گواہی کے علاوہ ایک دوسرے موضوع پر گفتگو کی جارہی ہے جو گواہ بنانے سے متعلق ہے، قرض دہندہ اپنے قرض کی رقم کے محفوظ رہنے کو یقینی بنانے کے لئے بناتا ہے اس کا اس گواہی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا ااس گواہی سے کوئی تعلق نہیں جس پر قاضی کسی متنازع معاملے کے دونوں فریقین کے درمیان فیصلے کے سلسلہ میں اعتماد کرتا ہے، آیت کریمہ کا مخاطب قرض دہندہ ہے نہ کہ باہمی نزاع میں فیصلہ کرنے والا قاضی، بلکہ اس آیت کریمہ کا تخاطب ہر طرح کے قرض دہندوں سے بھی نہیں ہے، قرض بنانے کی تمام صورتوں میں گواہ بنانے اور گواہی کی تعداد کے بارے میں آیت کریمہ میں مذکور معیار کی کوئی قید نہیں ہے، آیت کے اندر تو صرف ایک خاص قسم کے قرض دہندہ اور قرض دینے کی ایک مخصوص صورت میں محض ہدایت و رہنمائی کی گئی ہے جس کی ایک مخصوص نوعیت و کیفیت ہے، یہ خاص نوعیت اس قرضے کی ہے جو ایک متعین مدت تک کے لئے دی گئی ہو جسے تحریر میں لایا جاتا ہے، اور

صاحب تحریر کا انصاف پرور ہونا ضروری ہے، اسی طرح کاتب کا معاملے کو تحریر کرنے سے باز رہنا ممنوع علاوہ ازیں قرض لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ طے شدہ معاملے کو املاء کرائے اگر وہ املاء نہ کرا سکے تو اس کا ولی ٹھیک ٹھیک املاء کرائے پھر اس اس معاملے پر گواہی قائم کرنے کے لئے دو مسلمان مردوں یا دو دو مسلمان مرد و عورت بطور گواہ ہونے چاہئیں۔ مزید یہ کہ گواہ عوام میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہوں آخری بات یہ کہ گواہوں کا وقت پڑنے پر گواہی سے گریز کرنا درست نہ ہوگا، موجودہ تجارت اور خرید و فروخت کے اندر یہ شرائط مطلوب نہیں ہیں۔

آیت کریمہ نے گواہ بنانے کے اس معیار کو انتہائی منصفانہ اور سازگار شکل قرار دیا ہے جس سے انصاف کے دانی معیار کی نفی ہوتی ہے۔

اہل علم اور مجتہدین کو آیت کریمہ کے اس حقیقی مفہوم کا ادراک تھا کہ آیت کا تعلق ایک خاص معاملہ سے ہے اس کا گواہی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک خاص قسم کے حالات و تفصیلات والے قرض کے معاملے میں قرض دہندہ کے لئے ہدایت و رہنمائی ہے قاضی کو مخاطب کر کے کوئی شرعی ضابطہ نہیں بیان کیا گیا ہے، جو متنازع معاملات میں فیصلے صادر کرتا ہے۔

وہ اہل علم فقہاء جنہیں آیت کے اس حقیقی مفہوم کا ادراک تھا اور انہوں نے اس کی تفصیلی وضاحت پیش کی ہے، ان میں متقدمین میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ، ۱۲۶۳-۱۳۶۳ء) اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ، ۱۲۹۲-۱۳۵۰ء) ہیں محدثین اور معاصر اہل علم میں امام شیخ محمد عبدہ (۱۲۶۵-۱۳۲۳ھ، ۱۸۴۹-۱۹۰۵ء) اور امام شیخ محمود شلتوت (۱۳۱۰-۱۳۸۳ھ، ۱۸۹۳-۱۹۶۳ء) ہیں چنانچہ ابن تیمیہ کہتے ہیں جس کی روایت وضاحت ابن قیم نے کی ہے۔

جس بینہ کی بنیاد پر قاضی فیصلے کرتا ہے اور جس کی شرعی و فقہی بنیاد اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث ہے: "**البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه**" (بروایت بخاری،

ترمذی، ابن ماجہ) (بینہ قائم کرنا مدعی کے ذمہ داری ہے جبکہ قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے)۔ اس بینہ کے سلسلہ میں وہ کہتے ہیں:

''شریعت کے اندر بینہ اس ثبوت کا نام ہے جو حق بات کھول کر بیان کردے کبھی تو بینہ چار گواہوں کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے کبھی تین گواہوں کے ذریعہ جیسا کہ نص شرعی سے مفلس کا بینہ ثابت ہے اور کبھی دو گواہ، ایک گواہ، ایک عورت کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے، کبھی بینہ نکول قسم سے رک جانا) کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی قسم کے ذریعہ، پچاس قسموں یا پانچ قسموں کے ذریعہ بینہ قائم ہوتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے کہ ''بینہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے''، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مدعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کوئی ثبوت پیش کرے جو اس کے دعوے کی سچائی کو کھول کر بیان کردے اگر اس کا سچا ہونا کسی بھی طریقے سے ثابت ہوجاتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا (ابن القیم ر ۴۳، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ، تحقیق: محمد جمیل مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۷ء)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ بینہ ایک مرد یا اس سے زیادہ، ایک عورت یا اس سے زیادہ سے قائم ہوتا ہے، جبکہ وہ اس معیار پر پورا ترے کہ حاکم وقاضی کے دل کو پوری طرح مطمئن کردے۔

ابن تیمیہ نے حقوق کی حفاظت کے طریقوں کے مابین فرق وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی ہدایت ورہنمائی سورہ بقرہ کی آیت اشہاد (گواہ بنانا) کے اندر کی گئی ہے، جس کا مخاطب قرض دہندہ ہے، اس کے انہوں نے بینہ کے طریقے بیان کئے ہیں، جس کو بنیاد بنا کر حاکم وقاضی فیصلہ کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کی اس عبارت کی تفصیلی وضاحت اپنے عنوان ''وہ طریقہ جس کے ذریعہ انسان اپنے حق کو محفوظ کرتا ہے'' کے تحت کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے دو مرد

گواہوں اور ایک مرد دوعورت کا تذکرہ فیصلہ کرنے کے طریقے کے طور پر نہیں کیا ہے جس کو بنیاد بنا کر حاکم فیصلہ کرتا ہے بلکہ دراصل یہ بینہ دو قسموں کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

'یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یأب کاتب أن یکتب کما علمه الله فلیکتب ولیملل الذی علیه الحق ولیتق الله ربه ولا یبخس منه شیئاً فإن کان الذی علیه الحق سفیهاً أو ضعیفاً أولا یستطیع أن یمل هوفلیملل ولیه بالعدل واستشهدوا شهیدین من رجالکم فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء" (سورہ بقرہ:۲۸۲)۔

(اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس میں معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالی نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا چاہئے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالی سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر ناداں یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو)۔

اللہ تعالی نے انہیں تحریر کے ذریعہ اپنے حقوق کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور جس پر حق ہے (قرض لینے والا) وہ لکھنے والے کو املاء کرائے اگر وہ املا نہ کر سکے تو اس کی طرف سے اس کا ولی یہ کام کرے پھر صاحب حق کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دو مردوں کو اپنے حق پر گواہ بنائے اگر اسے دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنائے پھر گواہ بن چکے گواہوں کو ضرورت پڑنے پر

گواہی سے انکار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے بعد موجودہ تجارت کے اندر نہ لکھنے کی اجازت دی ہے پھر اس کے بعد خرید وفروخت کے وقت گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اور اگر فریقین دوران سفر ہوں کوئی لکھنے والا نہ ہو تو معاملے کو پختہ کرنے کے لئے بطور رہن کوئی چیز اپنے پاس رکھ لے۔

یہ تمام امور لوگوں کی ہدایت ورہنمائی سے متعلق ہے جسے اپنا کر وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرسکیں گے، حقوق کی حفاظت کا طریقہ اور حاکم وقاضی کے فیصلے کی بنیاد دو الگ الگ چیزیں ہیں فیصلہ کرنے کے طریقوں کا دائرہ دو مرد گواہوں اور دو عورتوں سے کہیں سے کہیں زیادہ وسیع ہے، کیونکہ قاضی کبھی نکول (قسم سے رکھ جانے) کے ذریعہ اور کبھی رد کئے گئے قسم کی بنیاد پر فیصلے صادر کرتا ہے جبکہ انکار کوئی ذکر قرآن کریم کے اندر موجود نہیں ہے، ان صورتوں کے علاوہ قاضی کتاب اللہ اور صحیح وصریح احادیث کی روشنی میں قرعہ اندازی اور قیافہ شناسی کو فیصلے کی بنیاد بناتا ہے۔

قیافہ (قیافہ کی واحد قائف ہے جو پیروں میں مشابہت کے آثار اور آدمی کے اندر باپ یا بھائی سے مشابہت کی خبر جان لیتا ہے) کے سلسلہ میں ایسی صحیح وصریح حدیث موجود ہے جس پر کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا ہے۔

قسامت (جن محلّہ کے اندر مقتول پایا جائے وہ اہل محلّہ قسم کھائیں گے) بھی فیصلے کی بنیاد بنتی ہے، جو صحیح وصریح حدیث سے ثابت ہے، چشم دید گواہوں کے ذریعہ فیصلے کئے جاتے ہیں، جبکہ زوجین یا کاریگر اور دوکان کے ساز وسامان کے سلسلہ میں شکایت کریں، باغ میں پختہ اینٹ کے پائے جانے کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا، ان کے نزدیک جو اس مسئلے میں گواہ اور قسم لینے کے قائل نہیں ہیں اور فیصلہ قرینہ پائے جانے کی صورت میں مدعی کے حق میں کیا جائے گا، یہ ساری باتیں نہ قرآن میں موجود ہیں نہ آپ کے فیصلے سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ نے کوئی ایسا

فیصلہ کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی دو مرد گواہوں کے عوض میں ہے کیونکہ جب دو مرد گواہ نہ ملیں تبھی ایک مرد اور دو عورت کی گواہی طلب کی گئی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آیت ایسے کسی مفہوم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ حکم صاحب حق سے متعلق ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے حقو کی حفاظت کرتا ہے، حق جل مجدہ نے اسے اپنے حق کی حفاظت کا محفوظ ترین راستہ بتایا ہے اگر اس طرح کے محفوظ ترین راستے کا اختیار کرنا اس کے بس میں نہ ہو تو پھر حفاظت کا جو اس کمتر طریقہ ہوگا وہ اسے اختیار کرلیں گے، خدا تعالی نے ایسی کسی گواہی کا حکم نہیں فرمایا ہے جسے بنیاد بنا کر حاکم فیصلے صادر کرتا ہے بلکہ اس نے ہمیں محض اپنے حق کی حفاظت کا ایک طریقہ بتایا ہے جب کہ فیصلہ کے طریقہ کار کا دائرہ حقوق کی حفاظت کے طریقوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے (الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ/ ۱۰۳، ۱۰۵، ۲۱۹، ۲۳۶)۔

علامہ ابن القیم نے اپنے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد ان کی تائید میں اپنی رائے پیش کی ہے وہ کہتے ہیں:

میرا کہنا ہے کہ قرآن کے اندر ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے جس کا مفہوم یہ نکلتا ہو کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے اللہ تعالی نے مذکورہ آیت کے اندر قرض دہندگان کو اپنی اس متعینہ تعداد اور نوعیت کے ذریعہ اپنے حقوق کی حفاظت کا حکم دیا ہے یہاں جس کام کا یہ حکم نہیں دیا گیا ہے وہ اس کی بنیاد پر فیصلے کریں چہ جائیکہ انہیں یہ حکم دیا گیا اسے بنیاد بنائے بغیر کوئی فیصلہ ہی نہ کریں اسی لئے نکول (امتناع قسم) اور عین مردودہ (رد کئے گئے قسم) کی بنیاد پر فیصلے کئے جاتے ہیں، صرف ایک عورت یا بغیر کسی مرد کے صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے، سیل بند اور پختہ اینٹوں کی بناوٹ کی بنا پر فیصلے کئے جاتے ہیں جو قرآن کریم

میں مذکور نہیں فیصلہ کا طریقہ ایک چیز ہے جبکہ حقوق کی حفاظت کے طریقے ایک دوسری چیز ہیں ان کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے حقوق کی حفاظت ایسے طریقوں سے کی جاتی ہے جن کے بارے میں صاحب حق یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح اس کا حق محفوظ رہے گا لیکن وہ حاکم کے فیصلے کی بنیاد نہیں بنتا، اسی طرح حاکم اپنے فیصلے میں کسی چیز کو بنیاد بناتا ہے لیکن صاحب حق اسے اپنے حق کی حفاظت کا ذریعہ نہیں بناتا اور نہ اس کے شان وگمان میں یہ بات آتی ہے (حوالہ بالا/ ۱۹۸)۔

چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت کے اندر گواہ بنانے کے جو طریقے مذکور ہیں جن کے اندر دوعورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہ اصلاً قرض دہندہ کے خاص مزاج کو سامنے رکھ کر ہدایت ورہنمائی کی گئی ہے، یہ قاضی کے لئے کوئی ضابطہ نہیں ہے اور نہ ہی دلالت وگواہی کے طریقوں کا جامع ہے یہ آیت خاص قسم کے قرضے کے ساتھ مخصوص ہے جس کی اپنی کیفیات وتفصیلات ہیں یہ بینہ کے سلسلہ میں کوئی عمومی فائدہ نہیں ہے جس سے معاملات کے اندر انصاف کے پہلو پر روشنی پڑتی ہو اور جسے بنیاد بنا کر قاضیان شرع فیصلے کرتے ہوں۔

اس اصولی گفتگو، صحیح اور غلط کے درمیان فرق نیز صورت مسئلہ کی تعیین کے بعد ابن تیمیہؒ نے بینہ قائم کرنے اور گواہی دینے کی صورتیں شمار کرائی ہیں جن کو حاکم وقاضی کے لئے فیصلے کے اندر بنیاد بنانا جائز ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حدود کے علاوہ مسائل کے اندر قاضی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ایک آدمی کی گواہی کی بنیاد پر جبکہ اسے اس کے سچے ہونے کا یقین ہو جائے فیصلہ دیدے، اللہ تعالی نے قاضیان شرع کے لئے اس بات کو لازم قرار نہیں دیا ہے کہ وہ جب فیصلہ کریں بنیادی طور پر دو مرد گواہوں کی گواہی کو ہی بنیاد بنائیں، بلکہ اللہ تعالی نے صاحب حق (قرض دہندہ) کو یہ حکم دیا ہے وہ اپنے حق کی دو مرد گواہوں کے ذریعہ حفاظت کرے یا ایک مرد گواہ اور دو عورتوں کی گواہی کے ذریعہ حفاظت کرے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قاضی اس سے کم کی گواہی پر فیصلہ نہیں

کرسکتا ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مرد گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے اور صرف ایک گواہ کی گواہی کی بنیاد پر بھی فیصلہ کیا ہے، شریعت پر جن کی نظر ہے ان کے نزدیک ایسا کرنا کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہے، اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے درمیان کو اختلاف ہے۔ اللہ تعالی کے رسول ﷺ نے محض ایک دیہاتی کی رویت ہلال کے سلسلہ میں گواہی قبول فرمائی ہے۔ بعض فقہاء ان کی اس گواہی کو گواہی نہ کہہ کر اخبار (خبر رسانی) کہا ہے لیکن یہ صرف ایک لفظی فرق ہے جس کی بنیاد پر اس واقعہ سے استدلال پر ردوقدح نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حدیث کے الفاظ اس دعوے کی تردید کررہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مقتول کے مال ومتاع کے سلسلہ میں ایک مرد کی گواہی کی اجازت دی ہے اس کے قاتل سے (جہاد کے اندر) دوسرا گواہ طلب نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی وہ اس مال کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں کوئی حیلہ کرے گا۔ صحیحین سے مروی اس قصے سے اس بات کی پوری طرح وضاحت ہوجاتی ہے۔ اصحاب نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ ضرورت پڑنے پر ایک مرد کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔ یہی بات خرقی نے (۳۳۴ھ، ۹۴۵ء) اپنے مختصر کے اندر نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ صفت عدل سے متصف طبیب گواہی غیر جان لیوا زخم کے سلسلہ میں قابل قبول ہوگی بشرطیکہ دو طبیب نہ مل سکیں، جانوروں کی بیماری کے سلسلہ میں جانوروں کے طبیب کا بھی یہی حکم ہے (الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ/ ۹۸، ۱۱۳، ۱۲۳)۔

اسی طریقہ سے حدود کے علاوہ مسائل کے اندر صرف ایک مرد کی گواہی جائز ہے اور صرف دو مردوں کی گواہی حدود کے مسائل سے متعلق ہے بعض کے نزدیک حدود کے اندر صرف عورتوں کی گواہی بھی جائز ہے۔

اس سلسلہ میں ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے جس کو ابن القیم نے نقل کیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قبول فرمائی

ہے، اور خود عورت نے اپنے سلسلہ میں گواہی دی ہے، صحیحین کے اندر عقبی بن حارث کی روایت ہے کہ انہوں نے ام یحی بنت ابی اہاب سے شادی کی ان کے پاس ایک سیاہ فام باندی آئی اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، چنانچہ میں نے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کی تو آپ ﷺ نے مجھ سے اعراض برتتے ہوئے رخ پھیر لیا، میں گھوم کر ان کے سامنے گیا پھر ان سے عرض کیا آپ نے فرمایا اب کیا پوچھنا خود اس نے دعوی کر دیا ہے کہ اس نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔

امام احمد بن حنبل بکر بن محمد کی اپنے والد سے روایت میں اس کی توثیق کی ہے وہ عورتوں کے سلسلہ میں کہتے ہیں وہ ان امور میں گواہی دے سکتی ہیں جن میں مرد موجود نہیں ہوتے، جیسے نومولود میں زندگی کی حرکت کے اثبات اور ایسے حمام کے سلسلہ میں جس میں صرف عورتیں ہی جاتی ہوں، ان معاملات میں صرف عورتوں ہی سے پوچھ تاچھ کی جائیگی۔

اسحاق بن منصور کہتے ہیں میں نے امام احمد سے پوچھا کہ حیض، عدت، سقوط حمل اور حمام کے مسائل، اور وہ تمام مسائل جن سے عورتیں ہی واقف ہوتی ہیں، کیا ان میں ایک عورت کی گواہی جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک عورت کی گواہی اگر وہ ثقہ ہو تو جائز ہے حدود اور قصاص کے علاوہ میں صرف عورتوں کی گواہی کی بنا پر فیصلہ سلف وخلف کی ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت عطاء (۲۷-۱۱۴ھ، ۶۴۷-۷۳۲ء) کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے حدود کے اندر عورتوں کی گواہی کی اجازت دی ہے وہ پیشے کے سلسلہ میں کہتے ہیں مجھ سے احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ دایہ کی تن تنہا گواہی جائز ہے خواہ وہ یہودی یا عیسائی عورت ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اس لئے کہ گواہی کے اندر اعتبار تجربہ اور صفت عدل کا ہونا ہے گواہ کی صنف کا نہیں

ہوتا کہ وہ مرد ہے یا عورت، چنانچہ بیشتر کے اندر جیسے طنابت، جانوروں کا علاج، قاضی کے سامنے ترجمہ وغیرہ ہے ان تمام امور میں تجربہ کاروں کی واقفیت کا اعتبار ہوتا ہے۔

بلکہ ابن تیمیہ اشہاد (گواہ بنانے) سے متعلق اپنی گفتگو کے اندر جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت میں آیا ہے، کہتے ہیں کہ عورت کا بھولنا اور اسی بنا پر یاد دہانی کے لئے دوسری عورت کی ضرورت، جس کی صراحت آیت کریمہ کے اندر موجود ہے: "**أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرى**" (کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاددہانی کرادے) ہر ایک عورت کی طبیعت وفطرت کا حصہ نہیں ہے اور پھر نسیان کا امکان ہر طرح کی گواہی میں پایا جانا ضروری بھی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق تجربہ اور مشق ومہارت سے ہے دوسرے لفظوں میں وہ ان امور میں سے ہے جن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ابن تیمیہ کے حوالے سے ابن القیم بیان کرتے ہیں:

ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ارشاد باری تعالی: "**فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرى**" (اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں سے پسند کرلو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے)۔

اس بات کی دلیل ہے کہ عورت سے بھول سرزد ہونے کے امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی یاددہانی کی خاطر دو عورتوں کو گواہ بنایا جاتا ہے جس کے اندر طبعی طور پر بھول چوک اور یادداشت میں کمی کی وجہ سے خلاف واقعہ دلالت سرزد ہونے کا امکان پایا جاتا ہے، اور اسی بنا پر ایسے امور جن میں عموماً ان سے غلط گواہی کے صدور کا خوف نہیں ہوتا ان میں عورت کی گواہی مرد کے نصف گواہی کے برابر نہیں ہوتی ہے۔

علامہ ابن القیم نے یہ باتیں جن کے بعض حصے کا ہم نے اجمالی ذکر کیا ہے، اپنی کتاب

''الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ کے علاوہ اعلام الموقعین کے اندر بھی بینہ اور حدیث بینہ پر اپنی گفتگو کے دوران کہی ہے، وہ حدیث بینہ ''البینۃ علی المدعی والیمین علی من أنکر'' پر اپنی گفتگو کے دوران حضرت عمر بن الخطاب کی حضرت ابوموسی اشعری کو ہدایات کی تشریح کرتے ہوئے قضاء کے اصول وآداب کے سلسلہ میں کہتے ہیں۔

بینہ کا لفظ کتاب وسنت اور کلام صحابہ میں ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو حق بات کو واضح کردے، بینہ کا لفظ دو مردوں کے ساتھ دو مرد گواہوں کے ساتھ خاص نہیں، قرض سے متعلق آیات کے اندر اللہ تعالی کا قول: ''**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان**'' (دو مردوں کو گواہ بناؤ، اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ) اس کا تعلق گواہی کی ذمہ داری کی ادائیگی اور پختہ معاملت سے ہے جس کی بنیاد پر صاحب حق اپنے حق کی حفاظت کرتا ہے نہ کہ اس کا تعلق فیصلے کے طریقے اور بنیاد سے ہے یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، اللہ تعالی نے ان گواہوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے ذریعہ حفاظت ہوتی ہے نہ کہ اس بات کا ذکر کہ قاضیان شرع سے ہی بنیاد بنا کر فیصلے کریں کیونکہ فیصلے کا دائرہ کار حقوق کی حفاظت سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: ''**ممن ترضون من الشهداء**'' (گواہوں میں سے تمہیں جو پسند ہوں) کیونکہ صاحب حق ہی کو (برخلاف قاضی کے) اپنے پسندیدہ گواہوں کے ذریعہ اپنے حق کی حفاظت کرنی ہے۔

ابن تیمیہ نے اس مسئلے میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دینے میں پوشیدہ حکمت کو بیان کیا ہے کہ عورت عموماً اس طرح کی مجالس اور مختلف نوعیّتوں کے حامل معاملات کی متحمل نہیں ہوتی لیکن اگر اسے اس طرح کے معاملات کو برتنے کا سلیقہ اور تجربہ حاصل ہوجائے تو اس کی گواہی حقوق اور قرضوں کی حفاظت کے لئے اشہاد میں بھی مرد کی گواہی کے مساوی ہوگی، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عورتوں کے سلسلہ میں دو کے اس عدد کی حکمت ان کے متحمل ہونے سے متعلق ہے، اگر عورت سمجھدار ہو اور معاملے کی تفصیلات محفوظ رکھ سکنے کے علاوہ دینی اعتبار سے بھی اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہو تو پھر اس کی فراہم کردہ خبر سے گواہی کا مقصد حاصل ہو جائے گا، جیسا کہ اخبار مذاہب سے حاصل ہوتا ہے، اسی بنا پر اس کی گواہی بعض معاملات میں قبول کی جاتی ہے، اور صحیح تر قول کے مطابق دو عورتوں کی گواہی نیز قسم عند الطلب کی بنیاد پر بھی فیصلے کئے جاتے ہیں، یہ امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ، ۷۱۲-۷۹۵ء) کا ایک قول ہے جب کہ امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شریعت نے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں قطعی طور پر دو مردوں کی گواہی پر حکم کو موقوف نہیں کر دیا ہے اور یہ توقف قتل، مال، عصمت، حدود میں بھی نہیں ہے۔ مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ حقوق کی حفاظت اور گواہی کی استطاعت کے پیش نظر تعدد گواہ کے طریقہ کی وجہ سے فیصلے اور ثبوت کے تئیں کسی تعدد کا پایا جانا لازم نہیں آتا، فیصلے کے سلسلہ میں شریعت کسی بھی درست بات کو قبول کرتی ہے (اعلام الموقعین عن رب العالمین ۱/ ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۴)۔

یہی بات ابن تیمیہ اور ابن القیم نے سورہ بقرہ کی آیت کے تعلق سے اپنی گفتگو کے اندر کہی ہے اور اسی کے قائل امام محمد عبدہ بھی ہیں، آیت کریمہ سے متعلق اس حق کے سلسلہ میں عورتوں پر مردوں کی گواہی کی برتری اس زمانے کی بات ہے جب عورتیں تجارتی سرگرمیوں سے دور ہوا کرتی تھیں، لازماً وہ ان معاملات میں تجربہ اور مطلوبہ لیاقت سے بھی بے بہرہ تھیں، میں جب اس مسئلہ پر غور کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ یہ صورت حال قدیم تاریخی زمانے سے متعلق ہے جس میں گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ ردوبدل ہوتا رہتا ہے، نسوانی فطرت و عادت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اگر امام محمد عبدہ ہمارے اس زمانے میں موجود ہوتے کہ جس زمانے میں اقتصادیات، اکاؤنٹ اور انتظامی شعبوں کے اندر ماہر خواتین کی بھرمار ہے جہاں

''خاتون کارکنان'' ''مرد کارکنوں'' کو مات دے رہی ہیں، تو وہ اپنی فکر کا دائرہ بڑھائے اور وسعت سے کام لیتے، اس کے باوجود تن تنہا انہیں کی ذات ہے جس نے ایک صدی پہلے سورہ بقرہ کی اس آیت پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو مسترد کر دیا کہ ہر طرح بھولنی عورت کی فطرت ہے جو ہر طرح کی گواہی میں ممکن ہے وہ کہتے ہیں:

''مفسرین نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، انہوں نے عورتوں کی گواہی کے نصف ہونے کی وجہ سے ان کے مزاج وطبیعت کو بتایا ہے، ان کے بقول عورتوں کی طبیعت اور مزاج سرد ہے اس لئے انہیں نسیان جلد لاحق ہوتا ہے، یہ بات حقیقت کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی، صحیح وجہ یہ ہے کہ عورت عام طور سے مالی امور اور اس سے متعلق لین دین کی مصروفیت سے تعلق نہیں رکھتی جس کی بنا پر (ان امور میں) اس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، اس کے برعکس گھریلو امور کے اندر عورت کا حافظہ کمزور نہیں ہوتا کیونکہ یہ اس کے روزمرہ کے کام ہیں، گھر کے معاملات میں عورت کا حافظہ بڑا قوی ہوتا ہے، بالفاظ دیگر انسان مرد ہو یا عورت اس کا طبعی مزاج یہ ہے کہ ان معاملات میں اس کا حافظہ بڑا قوی ہوتا ہے جن سے اس کی ذہنی وابستگی ہوتی ہے اور ان سے ہمیشہ اس کا سابقہ پڑتا رہتا ہے'' (الاعمال الکاملۃ للامام محمد عبدہ ۴/ ۳۲۷، مطالعہ وتحقیق ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ: ۱۹۹۳ء)۔

شیخ محمود شلتوت جنہوں نے اس مسئلہ پر شیخ ابن تیمیہ علامہ ابن القیم اور محمد عبدہ کی اجتہادات کا بالاستیعاب ذکر کیا ہے، انہوں نے اس اجتہادات کے اندر مزید ایک نکتے کا اضافہ کیا ہے، وہ لعان کے اندر مرد وعورت کی مساوی گواہی ہے جو دوران مطالعہ ان کی نظر میں آ گئی، وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کے اندر لعان کے مسئلہ میں عورت کی مساوی گواہی کو اس کی مکمل حیثیت پر دلیل کیونکر نہ مانا جائے، اس سے اس غلط فکر کی نفی ہوتی ہے جس کی رو سے گواہی کے مسئلہ پر اسلام کے موقف کی وجہ سے عورت کی حیثیت پر حرف آتا ہے۔

اللہ تعالی کا قول: ''فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان'' (اگر دو مرد گواہ نہ ہو تو

ایک مرد اور دو عورتیں ہوں) اس شہادت کے سلسلہ میں نہیں جسے بنیاد بنا کر فیصلہ کرتا اور حکم دیتا ہے، بلکہ وہ معاملہ کرتے وقت فریقین کے درمیان حقوق کے محفوظ ہونے پر اطمینان واعتماد کے حصول کے طریقوں کی جانب رہنمائی ہے: 'یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یأب کاتب أن یکتب کما علمه الله'' (اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس میں معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالی نے اسے سکھایا ہے)۔

آگے مزید کہا: ''واستشهدوا شهیدین من رجالکم فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحداهما فتذکر إحداهما الأخری'' (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلائے)۔

یہاں گفتگو کا تعلق حق دین کے سلسلہ میں اعتماد سے ہے نہ کہ یہ قضاء سے متعلق کسی گفتگو کا موقع ومحل ہے، آیت کے اندر معاملت کی انتہائی پر اعتماد شکل کی جانب رہنمائی کی گئی جو معاملے کے دونوں فریق کو اپنے حقوق کے تئیں مطمئن رکھے۔

جہاں آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ایک عورت کی گواہی یا ایک سے زائد عورتوں کی گواہی کے ذریعہ اگر ان کے ساتھ کوئی مرد گواہ نہ ہو تو کوئی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اور قاضی اسے اپنے فیصلے کی بنیاد نہیں بنا سکتا کیونکہ قضاء کے اندر زیادہ سے زیادہ جو چیز مطلوب ہوتی ہے وہ بینہ ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت کے اندر بینہ کا مفہوم شہادت سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ہر وہ چیز جس سے حق مبرہن ہو کر سامنے آجائے وہ بینہ ہے حاکم وقاضی اسے بنیاد بنا کر فیصلے اور حکم صادر کر سکتے ہیں جس کی ایک مثال قطعی قرینہ پائے جانے کی صورت

میں اسے بنیاد بنا کر قاضی فیصلہ دیتا ہے، اسی طرح اعتماد واطمینان حاصل ہونے کی صورت میں قاضی غیر مسلم کی گواہی اپنے فیصلہ کی بنیاد بناتا ہے۔

حصول اعتماد کے سلسلہ میں دو عورتوں کی گواہیوں کے ایک مرد کی گواہی کے بقدر اعتبار کئے جانے کی وجہ سے عورت کا عقلی ضعف نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کے کامل انسان ہونے پر حرف آتا ہے یا وہ اس کے ناقص ہونے کی علامت بن جاتا ہے بلکہ شیخ عبدہ کے الفاظ میں نصف گواہی کے اس اعتبار کی وجہ یہ ہے کہ مالی معاملات اور اس جیسے لین دین کے معاہدے سے عام طور پر عورتوں کا کوئی عملی تعلق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان معاملات کے اندر اس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے جبکہ گھریلو امور جنہیں عورتیں عملی طور پر برتتی ہیں ان میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا حافظہ قوی ہوتا ہے، اور یہ عام انسانی طبیعت کا لازمہ ہے کہ جن کاموں سے انسانوں کی ذہنی وابستگی ہوتی ہے وہ اسے عملاً برتتے اور زیادہ اسی میں مصروف رہتے ہیں ان کاموں کے اندر ان کا حافظہ بڑا قوی ہوتا ہے۔

آیت کریمہ کے اندر زمانہ نزول میں عورت کی مروجہ عادت کو سامنے رکھا گیا ہے، اس زمانے میں عورتوں کی اکثریت اسی روش پر کاربند تھی، وہ قرض کے باہمی لین دین کا معاملہ کرتیں نہ ہی بازار تجارت کی خرید وفروخت سے انہیں کوئی عملی مناسبت تھی، بعض عورتوں کا اس طرح کے امور سے اگر تعلق تھا بھی تو اس سے اس بنیادی صورت حال کی نفی نہیں ہوتی جس پر اس زمانے کی عورتوں کی زندگی کاربند تھی۔

آیت کریمہ معاملت کی کامل ترین صورت کی جانب لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہے، اب اگر معاملے کے فریق ایسے معاشرتی ماحول سے متعلق ہوں جس میں عورتیں عام طور پر خرید وفروخت کرتی ہوں اور قرض کے باہمی لین دین کی مجلسوں میں شریک ہوتی ہوں تو پھر لوگوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی اعتماد کریں جب کہ انہیں بھول

چوک نہ ہونے کے سلسلہ میں مردوں کی یادداشت پر حاصل اطمینان کی طرح عورتوں پر بھی اطمینان حاصل ہوجائے۔

اس سلسلہ میں فقہاء کی یہ صراحت موجود ہے کہ بعض ان مسائل کے اندر تن تنہا عورت کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے جن میں عموماً مردوں کی واقفیت نہیں ہوتی، جیسے کہ ولادت، بکارت، نسوانی عیوب اور پوشیدہ مسائل وغیرہ جبکہ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں صرف مرد کی گواہی قبول کی جاتی ہے، یہ وہ سنگین قتل وغارتگیری کی نوعیت کے مسائل ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد صنف نازک کے اوسان خطا کر جاتے ہیں، اور ان کی متحمل نہیں ہوسکتی اس کے باوجود فقہاء نے قتل کے معاملے میں عورت کی گواہی کے معتبر ہونے کی بات کہی ہے بشرطیکہ معاملے کے راست پہلو تک یقینی رسائی کا تحقق ہوتا ہو جو قاضی کو مطمئن کردے اور ایسے بھی مسائل ہیں جن میں مرد وعورت دونوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔

ہمیں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے خود قرآن کریم نے لعان کے مسئلہ میں گواہیوں کے اندر عورت مرد کے مساوی قرار دیا ہے، قرآن کریم نے زوجین کے سلسلہ میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی پر تہمت لگائے اور اپنے دعوے کے سلسلہ میں کوئی گواہ پیش نہ کرے:

"والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله إنه لمن الصادقين والخامسة أن لعنةا لله عليه إن كا من الكاذبين ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين والخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين" (سورہ نور:٦-٧)۔

(جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں

میں سے ہیں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو)۔

تو ایسی صورت میں مرد خود چار مرتبہ اپنے دعوے میں سچے ہونے پر گواہی دے پھر پانچویں مرتبہ اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں اپنے اوپر خدا کی لعنت کا خواستگار ہو جبکہ عورت اس کے دعوے کی تردید میں چار مرتبہ گواہی دے اور پانچویں مرتبہ اپنے مدعی شوہر کے سچے ہونے کی صورت میں اپنے اوپر خدا کے غضب کی خواستگار ہو۔

یہ مذہب اسلام کے عدل وانصاف کی نظیر ہے جسے مرد وعورت کے مابین حقوق کی تقسیم کے سلسلہ میں برتا جاتا ہے اور جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مرد وعورت بطور انسان مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔

اس طرح مرد وعورت کی مساوی گواہی کے مسئلے پر اور دینی اجتہادات کا موقف واضح ہو جاتا ہے کہ اگر مرد یا عورت تجربہ اور اہلیت سے متعلق گواہی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرتے ہوں تو وہ مساوی طور پر گواہی کے اہل ہوں گے، کیونکہ انسان ہونے میں دونوں کی حیثیت ایک جیسی اور ایک ہی تخلیقی اکائی سے مستفاد ہے، معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور اس امانت کو مل جل کر اٹھانے کے عمل کے سلسلہ میں دونوں کے زمرے کی ایک ہیں جس کے بوجھ کو انسان نے انے کاندھوں پر اٹھانے کی ذمہ داری قبول کی ہے یہ وہ ذمہ داری ہے جسے ہم تعمیر حیات اور دنیا کی آبادکاری کا نام دیتے ہیں۔

اخیر میں (نہ کہ اختتام پر) علامہ ابن القیم نے اس آیت کریمہ کو بطور مستدل پیش کیا ہے:

"**وکذلک جعلناکم أمة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً**" (سورہ بقرہ: ۱۴۳) (ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں)۔

انہوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آیت میں مذکور اس گواہی کے مرد کی سی حیثیت عورت کو بھی حاصل ہے، جو دین کی تبلیغ اور روایت حدیث سے متعلق ہے۔ چنانچہ عورت روایت حدیث کے اندر مرد کے مساوی نظر آتی ہے جو کہ درحقیقت اللہ کے رسول ﷺ کے قول پر گواہی ہے۔ عورتوں کے ذریعہ روایت حدیث پوری امت کے اندر متفقہ طور پر رائج ہے، اور ہر زمانے میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے، اور روایت بھی ایک طرح کی شہادت ہی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کی گواہی اللہ کے رسول ﷺ کے حق میں تو قبول کر لی جائے اور کسی عام شخص کے حق میں وہ قابل قبول قرار نہ پائے؟

ابن القیم کے الفاظ میں صفت عدل سے متصف عورت کی حیثیت سچائی اور امانت و دیانت داری کے اندر مرد کے مساوی ہوتی ہے (الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ)۔

یہ ہے اسلامی شریعت کی جامع فکر اور مرد و عورت کے درمیان مکمل انصاف پر مبنی اسلامی نظریہ جو ابن القیم کے الفاظ میں:

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کبھی کوئی ایسا حکم صادر نہیں فرمایا جسے انسانی ذہن و دماغ اس کی بنیادی علت کو باطل ثابت کر کے اسے ساقط کر دے۔ شریعت الہیہ کے احکام اس طرح کے کسی شک و شبہ سے قطعی طور پر منزہ ہیں، احکام الہیہ سے بہتر اور منصفانہ کوئی نظام ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی شرعی حکم ایسا ہے جس کے سلسلہ میں انسانی عقل یہ سوچ سکے کہ صحیح حکم اس کے برعکس ہو سکتا ہے۔ بلکہ انسانی عقل و فطرت اس بات پر شاہد ہیں کہ جملہ شرعی احکام حسن نظام کا نمونہ اور اپنے مسئلہ کے بھرپور اور بہترین حل ہوتے ہیں کوئی دوسرا حکم ان کی جگہ نہیں لے سکتا''۔

اپنی انی باتوں کو قارئین کے روبرو رکھنے میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

پہلا یہ کہ صرف اپنی تحریر میں پیش کرنے کے بجائے ائمہ اجتہاد کی وہ تحریریں بھی پیش کی

گئی ہیں جن سے شکوک وشبہات کا پوری طرح سے قلع قمع ہو جاتا ہے تا کہ اس موضوع پر کسی نئے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

دوسرے یہ کہ تین تحریریں ان مشاہر ائمہ سلف کی ہیں جنہیں سلفی حضرات کے طبقے خیال کیا جاتا ہے تا کہ ان سلفی داعیوں کا ناطقہ بند کیا جاسکے جو جمود کے شکار قدیم معاشرتی طور طریقوں کو اپنے دینی معاشرے کے سامنے دین بنا کر پیش کرتے ہیں، اس طرح انہوں نے ان قدیم معاشرتی طور طریقوں کو اسلامی شریعت کی جگہ لا کھڑا کر دیا ہے۔

ساتھ ہی ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے کہ ہم ان غلو پسند خواتین وحضرات کی بولتی بند کر دیں جنہوں نے دین کے اندر در آنے والی فکری بدعات کو حقیقی شرعی احکام اور مذہب اسلام کی روح سمجھ رکھا ہے، سلفیت اور سلفیوں کی اصطلاح سنتے ہی ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا موقف پوری طرح سے عورت کے ساتھ انصاف اور اس کی مکمل حیثیت پر مبنی پر جو جبریل امین کے ذریعہ نبی برحق ﷺ پر اتارا گیا، نیز پوری اسلامی تاریخ کے اندر جملہ دینی اجتہادی تحریکوں کا بھی یہی موقف رہا ہے۔

تیسرا شبہ:

عورت دینی اور عقلی طور پر ناقص

اس شبہ کا بنیادی ماخذ وہ قدیم رسم ورواج اور عادات واطوار ہیں جن کے اندر عورت کو ایک کمتر شئ سمجھا جاتا ہے، یہ وہی جاہلانہ رسوم ورواج ہیں جن سے اسلام نے عورتوں کو آزاد کرایا ہے لیکن تہذیبی انحطاط کے زمانے میں یہ رسوم معاشرتی زندگی کے اندر از سرنو درآئیں اس کے لئے عورت کے ساتھ تفریق پر مبنی اس معاشرتی روش کا سہارا لیا گیا جس پر غیر اسلامی معاشرے گامزن تھے، جو اپنے قدیم معاشرتی رسوم ورجحانات سے پوری طرح دست بردار ہوئے بغیر مسلم امت اور اسلامی مملکت کے دائرے میں داخل ہو گئے تھے۔ اسلام سے متصادم روم وفارس کی عظیم طاقتوں سے پہلی فرصت میں نمٹنے کی ضرورت تھی، چنانچہ بہت تیزی سے اسلامی فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا اور پھر اسی تیزی کے ساتھ اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اس دوران اسلامی زندگی کے اندر بہت سی قومیں اپنے سابقہ معاشرتی رسوم اور قدیم طور طریقے سمیت داخل ہو گئیں اور اسلامی انقلاب کی اس برق رفتاری میں اس بات کا موقع نہ مل سکا کہ ان قوموں کی دینی تربیت کے ذریعہ ان میں اسلامی قدروں کو فروغ دیا جائے، نیز انہیں قدیم جاہلانہ معاشرتی طور طریقوں سے پاک وصاف کیا جائے جو طبعی طور پر دینی قدروں کی بہ نسبت پہلے سے لوگوں کی گھٹیوں میں رچے بسے ہوئے تھے اور معاشرے میں ہر طرف انہیں کا بول بالا تھا۔ بالآخر اسلام کے اندر ان قدیم معاشرتی اطوار نے اپنی کوششوں کے نتیجہ میں غلبہ پالیا، یہ ان عقائد، فکری زاویوں اور اعلی قدروں پر چھا گئے جو مختلف ادیان ومذاہب کے پیروکاروں اور نئے وجود پذیر تحریکوں کے لئے

ہدایت ورہنمائی اور اعلیٰ طرز معاشرت کا نمونہ تھیں۔

ان قدیم معاشرتی اطوار نے عرصہ گذر جانے نیز معاشرے کے رگ وپے میں سرایت کر جانے کے بعد غلاموں اور عثمانیوں کے دور حکومت میں اسلامی حکومت کی فوجی چھاونی تلے عورت کے سلسلہ میں اپنے حقارت آمیز نظریے کو بعض احادیث کی غلط تشریحات کے ذریعہ شرعی لبادہ اوڑھانے کی کوشش کی، یہ غلط تشریحات احادیث کے سیاق اور شان ورود کی تفصیلات کو پس پشت ڈال کر کے آزادی نسواں کے اس اسلامی تصور کے ماوراء پیش کی گئیں ہیں جو عورت کی آزادی کو انسانیت کے ہر فرد کی آزادی کی حیثیت سے انسانی آزادی کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔ اسلام کی آمد ہی اس لئے ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کو جاہلانہ قید وبند سے آزاد کر کے علی الاطلاق پوری نوع انسانی کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اور توانیائیوں کو بیدار کرے تا کہ مرد وعورت دونوں مشترکہ طور پر اس ذمہ داری کی ادائیگی انجام دیں جس کی ذمہ داری حضرت انسان نے قبول کی ہے، اور اجتماعی ذمہ داریوں کو بشمول خاص وعام جملہ اجتماعی کارکردگیوں کے، باہمی معاونت کے ذریعہ ادا کریں۔

لیکن ان قدیم جاہلانہ رسم ورواج اور معاشرتی طور وطریق نے جو عورتوں کے سلسلہ میں حقارت آمیز نظریہ رکھنے کے علاوہ معاشرتی سطح پر اس کی حیثیت میں بٹہ لگا کر اسے اجتماعی عمل کی انجام دہی سے روکتی ہیں ساتھ ہی وہ عورت کے اندر موجود فطری صلاحیتوں اور لیاقتوں کا گلا گھونٹ بھی مرتکب ہیں، انہوں نے آزادی نسواں کے اسلامی قدروں کے خلاف ایک زبردست محاذ کھول رکھا ہے، اس کے لئے بعض احادیث اور دینی نصوص کی شاذ اور غلط تشریحات کو شدومد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تا کہ ان جاہلانہ رسوم وعادات کو شرعی لبادہ اوڑھایا جاسکے۔

یہ تمام ریشہ دوانیاں اس امر کے باوجود ہیں کہ آزادی نسواں کے اسلامی تصور نے

عورت کواس مقام تک پہنچادیا کہ:

- مذہب اسلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک عورت ہے جو مضبوط عزم وارادے کی مالک خلیق خاتون جو دین اور اس کے پیغمبر کے لئے سہارا بنی، یہ خاتون ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد (۶۸-۳ ق ھ، ۵۵۶-۶۲۰ء) ہیں جن کا سال وفات اللہ کے رسول ﷺ، مسلمانوں اور پوری اسلامی تحریک کے لئے غم کا سال تھی۔
- دین کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والی ایک عورت تھی جو حضرت عمار بن یاسر کی ماں حضرت سمیہ بنت خباط (۷ ق ھ، ۶۱۵ء) کی شکل میں تاریخ کے اندر ثبت ہیں۔
- عورتیں اجتماعی عمل کے اندر شریک ہونے میں پیش پیش رہیں جن میں سیاسی شورائی، فقہی، دعوتی ادبی، معاشرتی بلکہ جنگی بھی جملہ سرگرمیاں شامل ہیں، ان امور کی عملی نمائندگی مدرسہ نبوت کی تربیت یافتہ ممتاز، جیدہ اور فائق خواتین کے اندر ہمیں نظر آتی ہے۔

آزادی نسواں کے اس اسلامی تصور کی ہمہ گیر وسعت کے باوجود جاہلانہ رسوم وعادات نے عورت کو آزادی نسواں کے بنیادی اسلامی تعلیمات سے بے گانہ کر کے دوبارہ مغربی نظام کے اندر جکڑ کر رکھ دیا ہے یا وہ اس کے لئے کوشاں ہے حتی کہ آج جن معاشرتی روشوں پر فخر ومباہات کا سلسلہ جاری وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

- ایک شریف عورت کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی کمین گاہ سے زندگی میں دو ہی مرتبہ نکلتی ہے ایک شوہر کے گھر جانے کے لئے دوسرے قبرستان جانے کے لئے جہاں وہ مدفون

ہوتی ہے۔

- عورت ایک ایسا عیب ہے جسے ''قبر'' ہی چھپا سکتی ہے۔

ولم أر نعمة شملت كريماً كنعمة عورة سترت بقبر

(میں نے معاشرے کے اندر ایسی کوئی نعمت نہیں دیکھی جو عورتوں کے پر عیب وجود کی طرح خوبیوں کا مرقع ہو جسے قبر ہی چھپا سکتی ہے)۔

- اسلام نے عورت کو زندہ درگور ہونے اور حقیقی معنوں میں قتل ہونے سے بچایا ہے جبکہ ان جاہلانہ رسم ورواج کی رو سے عورت کی عزت اور افزائی اس کی موت کے اندر پوشیدہ ہے۔

ومن غابة المجد والمكرمات بقاء البنين وحوت البنات
تهوى حياتي وأهوى موتها شفقا والموت أكر نزال على الحرم

(انسانی معاشرے کے لئے مجد وشرافت کی انتہا یہ ہے کہ بیٹے زندہ سلامت رہیں اور بیٹیاں موت کو گلے لگالیں، اسے میری زندگی عزیز ہے جبکہ اس پر ترس کھاتے ہوئے مجھے اس کی موت عزیز ہے حرم سرا کے اندر قدم رنجہ فرمانے والوں میں موت سب سے زیادہ محترم ہے)۔

- اس کے مشورہ بدشگونی کی علامت ہیں جن سے اجتناب ناگزیر ہے اگر وہ کوئی مشورہ دیدے تو اس سے اجتناب ضروری ہے، اس پر عمل پیدا ہونے سے آدمی کو کوسوں دور رہنا چاہئے۔

ان جاہلانہ رسوم ورواج کا سب سے خطرناک پہلو وہ ہے جو تہذیبی انحطاط کے زمانے میں قابل لحاظ آبادی کے اندر عام ہوگئی ہے اور ہماری معاشرتی زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہے، وہ پہلو بعض دینی روایات ومنقولات کی غلط تشریح ہے جو تہذیبی پستی اور انحطاط پر مبنی نظام کو جو اس

زمانے میں عورتوں کے تئیں رائج تھا دینی بنیاد اور شرعی لبادہ فراہم کرنے کی غرض سے کی گئی ہے، اس معاملے میں سب سے زیادہ مضر رول صحیحین سے مروی حدیث نبوی کی غلط تشریح کا ہے جس نے حدیث کے رائج اور عام مفہوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہ حدیث عورتوں کے دینی اور عقلی طور پر ناقص ہونے سے متعلق ہے، جسے صحابی جلیل حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ عید الفطر یا عید الأضحیٰ کے موقع سے عید گاہ کے لئے نکلے اس دوران آپ کا عورتوں کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا:

اے عورتوں کی جماعت! میں نے تم سے زیادہ کسی کو عقل اور دین کے اندر ناقص نہیں پایا جو عقل مند شخص کو بھی مات دیدے، انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ہماری عقل اور دین کا نقص کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف نہیں ہوتی، انہوں نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہی اس کی عقل کا نقص ہے، کیا کوئی عورت جب حالت حیض میں ہوتی ہے تو نماز روزے نہیں رک جاتی ہے، انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقص ہے۔

یہی وہ حدیث ہے جس کی غلط تشریح کو ہمیشہ ان جاہلانہ معاشرتی عادات واطوار کے لئے شرعی لبادے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، جن سے عورت کی ذاتی حیثیت مجروح ہوتی ہے اسی غلط تشریح کو دینی طبقے کے بعض غلو پسند افراد عورت کے ساتھ انصاف اور قدیم جاہلانہ رسوم ورواج سے اس کی آزادی کے خلاف اپنی جدوجہد کو بنیاد فراہم کیا ہے اور اسے ہی مغرب نواز سیکولر غلو پسند آزادی نسواں کے موضوع سے ہی اسلام کو کنارے کرنے کی اپنی تحریک کی بنیاد بناتے ہیں اور مغرب کے وارد فکری نہج کے اندر آزادی نسواں کا حل تلاش کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

یہاں جو چیز ضروری ہے کہ وہ یہ کہ عورت کی شخصیت کو حدیث کی ان غلط تشریحات

سے بچایا جائے بلکہ اس حدیث کو ان غلط تشریحات سے محفوظ رکھا جائے اور اس کے لئے ہم نے حدیث کے متن ومضمون کے تجزیاتی مطالعے کے خلاصے کو چند نکات کے اندر پیش کر دیا ہے:

پہلا: حدیث کی عبارت کو محفوظ کرنے والی یادداشت کے تئیں ایسا نقص سامنے آیا کہ جن سے بعض سوالات پیدا ہو رہے ہیں، اس حدیث کا راوی اس شک میں مبتلا ہے کہ آیا وہ عید الأضحیٰ کا موقع تھا یا عید الفطر کا راوی کے اس طرح کے شک سے روایتوں کو پرکھتے وقت اغماض نہیں برتا جا سکتا۔

دوسرا: حدیث کے اندر عورتوں کی ایک خاص صنفی صورتحال کا تذکرہ ہے جس کا تعلق نہ تو کسی ابدی شرعی اصول سے ہے اور نہ ہی ساری عورتوں کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے بلکہ یہ عورتوں کی ایک صورتحال کا ذکر ہے اور کسی ''خاص صورتحال'' سے متعلق گفتگو جس میں ردوبدل اور نشیب وفراز آتے رہتے ہیں، اور ''اٹل اصول'' جو عبادات، دینی قدروں اور معاملات کے اندر پائے جاتے ہیں دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

چنانچہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا کہ ہم امی قوم ہیں جو لکھنا جانتی اور نہ ہی حساب لگانا (بروایت صحیحین، امام نسائی، ابوداؤد، امام احمد) تو یہ صورت واقعہ کا بیان ہے، تحریر اور حساب وکتاب سے دائمی جہالت کے متعلق کوئی آئین سازی نہیں کی گئی ہے کیونکہ قرآن کریم کی ابتداء کتاب کائنات اور قلمی تحریروں کو پڑھنے کے حکم سے ہوئی ہے۔ ''**اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الإنسان من علق اقرأ وربک الأکرم الذی علم بالقلم، علم الإنسان ما لم یعلم**'' (سورہ علق:۱-۵) (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا)۔

دوسرے یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ جنہوں نے لکھنے اور حساب لگانے کے سلسلہ میں

امیت سے متعلق صورت واقعہ کو بیان فرمایا ہے انہیں کی ذات ستودہ صفات ہے جس نے اس صورت حال کو تبدیل کر کے جاہلوں اور بدوؤں کو قراء، علماء اور فقہاء بنا دیا، اور یہ اس حکم الٰہی کی تعمیل میں کیا جو قرآن کریم میں موجود ہے، قرآن ہی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ خدا تعالی نے چاند کی مقرر جگہیں اس لئے بنائی ہیں کہ ہم سالوں کو شمار کر کے ان کا حساب رکھیں، "**هو الذى جعل الشمس ضياء والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ما خلق الله ذلک إلا بالحق يفصل الآيات لقوم يعلمون**" (یونس:۵) (وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو اللہ تعالی نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ وہ انہیں یہ دلیلیں وضاحت کے ساتھ بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں)۔

صورت حال کی وضاحت کی ایک مثال یہ ہے کہ جیسے ہم کہیں کہ "ہم مختلف معاشرے کے لوگ ہیں"، کسی بھی صورت میں اس جملہ کا مفہوم یہ نہیں ہوگا کہ یہ صورت حال مشروع ہے اور نہ ہی یہ کہ یہ صورت حال بہتر ہے اور ہونی چاہئے چہ جائیکہ اسے باقی رکھنے کے بارے میں سوچا جائے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث کی بعض روایات بطور خاص حضرت ابن عباس کی روایت کے اندر قطعیت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ یہاں مراد طبعی طور پر عورتوں کے خاص مزاجی حالات اور خصوصیات ہیں اور انہیں حالات وخصوصیات کی بنا پر جہنم میں ان کی اکثریت ہوگی، جہنم میں ان کی کثرت اس بنا پر نہیں ہوگی کہ وہ عورت ہیں بلکہ وہ روایت کے اندر موجود صراحت اور بیان کردہ علت کے مطابق اپنے شوہروں کی ناشکری کی وجہ سے جہنم میں جائیں گی، شوہر اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرتا رہے لیکن اگر بیوی کے مزاج کے خلاف کچھ بھی ہو گیا جسے وہ پسند نہ کرتی ہو تو پھر وہ اپنے شوہر کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دے گی اور وہ اپنی بے

وقوفی اور جہالت کے مارے جذبات سے مغلوب ہوکر شوہر کے تمام احسانات پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیتی ہے کہ میں نے تم سے کسی بھلائی کا منہ تک نہیں دیکھا ہے'' (بروایت صحیحین) اس طرح یہ حدیث محض ایک خاص کیفیت کا بیان ہے، عورتوں کی صنف کے لئے کوئی عمومی اور ابدی ضابطہ نہیں ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سیاق حدیث اس کے الفاظ اور معنوی پہلوؤں سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ اس حدیث کے پس پشت عورت کی تعریف مقصود ہے نہ کہ اس کی تنقیص، جو لوگ آپ ﷺ کے اعلی اخلاق سے واقف ہیں جن سے سرفرازی کا اعلان خود اللہ سبحانہ وتعالی نے کیا ہے کہ ''**إنک لعلی خلق عظیم**'' (سورہ قلم: ۴) (اور بے شک تو بڑے عمدہ اخلاق پر ہے)۔

اور اس بات سے واقف ہیں کہ آپ ﷺ نے عید (جس دن یہ بات ارشاد فرمائی گئی) کی مسرت وشادمانی میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو کس درجہ شریک کیا ہے۔ چھوٹی بچیوں بلکہ حائضہ اور نفساء عورتوں کو بھی فرحت انبساط کے اس موقع سے عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا ہے، اور جن کی اس بات پر نظر ہے کہ اعلی ترین اخلاق کی پیکر اس ذات گرامی نے آبگینہ صنف نازک کے ساتھ کس درجہ نرم خوئی کا حکم فرمایا ہے اور اس وقت جبکہ آپ بستر علالت پر اس دارفانی سے کوچ کے آخری لمحات میں تھے، ان تمام امور پر نظر رکھنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ عین عین کے دن جو زیبائش ومسرت کا موقع ہوتا ہے پوری پوری صنف عورت کی مذمت فرمائیں گے، انہیں پھٹکار لگاتے ہوئے عقل ودین کے تئیں ان کے نقص کو بنیاد بنا کر ان کی شخصیت کی تنقیص پر ابدی حکم صادر فرمائیں گے۔

عید کا دن مسرت وخوشی اور زیبائش کا دن ہوتا ہے، اس دن غم واندوہ اور حزن وملال کا مطلوب ومقصود ہونا قرینہ وقیاس کے منافی ہے، حدیث کے الفاظ خود اس بات پر دال ہیں کہ

یہاں عورتوں کی تعریف مقصود ہے جس کے لئے صورت واقعہ کے بیان کو بروئے کار لایا گیا ہے، جس سے جملہ خواتین نہ سہی خواتین کا سواد اعظم متصف ہوتا ہے۔

اس حدیث سے جو بات ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ کہ عورت پر جذباتیت اور نازک مزاجی کا غلبہ ہوتا ہے، یہ جذباتیت اور نازک مزاجی ہی عورت کا وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے عقل مند و دانا اور سخت مزاج مردوں کو رام کرتی ہے، جذباتیت سے اس کے مغلوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے تقاضوں تک محدود خالص عقلی اندازوں کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے، یہاں عورت کا ایسا وصف سامنے آیا ہے جو سکے کے دو رخ (جذباتیت اور عقل سے استغناء) کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ عورت جب جذبات میں آتی ہے تو عقل کے تقاضوں کو خاطر میں نہیں لاتی جبکہ اس کے برعکس مرد عقلی تقاضوں دور اندیشیوں پر جذبات کو غالب نہیں آنے دیتا، دونوں صنفوں کے مابین یہ فرق خدا تعالی کی فطرت اور غالب حکمت کا مظہر ہے، وہ حکمت یہ ہے کہ جذبات کے باب میں عورت کی کارکردگی کسی حد و حساب کی پابند نہ ہوتا کہ خالص عقل کے محدود دائرہ کار کے اندر مرد کی کارکردگی صنف نازک اور جنس لطیف کی عقلی ناچیے کی کمی کی بھرپائی کر دے۔

چنانچہ عورت کے اندر عقل کا نقص جس کا ذکر حدیث نبوی کے اندر کیا گیا ہے دراصل ایک ایسی نسوانی خصوصیت کی وضاحت ہے جس سے ایک صحیح الفطرت عورت کی شخصیت میں چار چاند لگ جاتے ہیں، کیونکہ اس کی اس خصوصیت کے نتیجے میں خالص عقلی تقاضوں پر جذبات کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے حدیث کے ان الفاظ کو عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کی دل لگی پر محمول کیا جانا چاہئے، جن کی زبان مبارک سے خدا تعالی نے عورتوں کی حمایت میں عید کی شادمانی اور زیبائش کے موقع سے پر مغز کلمات ادا کرائے، گویا آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے جذبات کے ہتھیار اور نازک قوت کے ذریعہ بڑے بڑے اہل عقل و دانش کو زیر

کر لیتی ہے اور اپنے نازک جذبات کے ذریعہ مضبوط سے مضبوط قلعے پر فتحیاب ہو جاتی ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: "**ما رأیت من ناقصات عقل و دین أدب للب الرجل الحازم من إحداکن**" (میں تمہاری طرح دین وعقل کے اندر کسی کو ناقص نہیں پایا جو عقل مند اور دانا شخص کو مات دیدے)۔

اس طرح یہ عورت کے نازک جذبات کی تعریف ہے جو اہل عقل وخرد کو مات دیدیتی ہے، عورت کی اس حرمان نصیبی اور بدبختی کو کیا کہا جاسکتا ہے کہ نازک جذبات کے اس فطری ہتھیار سے اپنی شرفیابی کو ماننے کے لئے وہ خود تیار نہیں ہے، جسے اللہ تعالی نے اس دنیوی زندگی کے اندر اس کی فطرت کا خاصہ اور امتیازی وصف بنایا ہے، بلکہ ہمیں یہاں افسوس ان ذی عقل مردوں پر بھی ہے جو اپنی زندگی میں کے جذبات اور نازک قوت کے اس فطری ہتھیار کے آگے سیر ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مذکورہ الفاظ حدیث کا یہی وہ مناسب ترین مفہوم جو قائل ومخاطب اور سیاق حدیث سب پر یکساں منطبق ہوتا ہے ساتھ ہی مرد وعورت ہر ایک کے دل کو لگتی ہوئی تشریح ہے جو حدیث شریف کے الفاظ نقص عقل سے مقصود ومطلوب ہے، دوسرے جملے میں نقص دین سے مقصود ایسے حقیقی واقعہ کا بیان ہے جس سے عورت کی مذمت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے بلکہ وہ عورت کا ایک قابل تعریف اور لائق ستائش وصف اور صورت حال ہے۔

جب عورتوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اپنے دینی نقص کے داد ومفہوم کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اس کا مفہوم عبادات کے اندر انہیں حاصل ان خاص رخصتوں کو بتایا جو مرد وعورت کو مشترکہ طور پر حاصل رخصتوں کے علاوہ ہیں اس طرح اگر دیکھا جائے تو عورتیں ان تمام رخصتوں میں مردوں کے ساتھ شامل ہیں جن کی شریعت نے انہیں اجازت دے رکھی ہے، وہ مسائل حالت مرض اور سفر میں روزہ نہ رکھنے نیز حالت سفر میں نمازوں

کی قصر وجمع کے علاوہ بوقت ضرورت محرمات کے جواز کی رخصت وغیرہ ہیں، عورتوں کو ان مشترکہ رخصتوں کے علاوہ مردوں کے برعکس مزید رخصتیں حاصل ہیں جو صرف انہیں ہی حاصل ہیں، جیسے حائضہ اور نفساء عورتوں سے نماز وروزہ کی فرضیت کا ساقط ہونا مدت رضاعت میں بوقت ضرورت ماہ رمضان کے اندر دودھ پلانے والی کے لئے رخصت وغیرہ ہیں۔

اللہ سبحانہ عزوجل کو رخصت پر عمل ویسے ہی پسند ہے جیسے فرائض کی ادائیگی پسند ہے خواتین کے ذریعہ ان شرعی رخصتوں کا پابندی لازمی ومطلوب اور باعث ستائش ہیں جس کے لئے وہ اجر وثواب کی مستحق ہوتی ہیں ان رخصتوں پر عمل کو مذموم ومردود عمل قرار دینا ممکن ہی نہیں ہے، حدیث نبوی کے اندر نقص دین بالکل اسی طرح بیان واقعہ ہے جس طرح اسی حدیث کے اندر محدود عقلی کو زیر کرنے والے عورتوں کے جذبات ونازک مزاجی کے سلسلہ میں حقیقت واقعہ کا بیان گذرا ہے۔

یہ ایک ایسی نسوانی صورت واقعہ کا بیان ہے جو کسی عورت کے لئے خوبی کی حیثیت رکھتا ہے اسے کسی بھی زاویے سے عورتوں کی مذمت اور ان کی شخصیت کی تنقیص نیز مردوں کے مساوی ان کی حیثیت میں نقص کا باعث نہیں کہا جاسکتا ہے۔

عقل ایک خداداد صلاحیت ہے دنیا کے اندر ایسے انسان مرد یا عورت نہیں پائے جاتے جو اپنی عقلی صلاحیتوں کی پختگی اور مقدار کے اندر بالکل برابر ہوں لوگوں کی صلاحیتوں میں فرق پایا جاتا ہے، وہ مختلف فکری معیار کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ فرد واحد خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کی عقل ویادداشت میں گذرتے وقت کے ساتھ کمی بیشی کا فرق پایا جاتا ہے بایں ہمہ یہ کمی وبیشی علوم ومعارف اور تجربات کے اکتساب پر بھی منحصر ہوتی ہے۔

عقل کے مسئلے پر کوئی ایسی طبعی خصوصیت نہیں پائی جاتی کہ جس کی بنیاد پر مرد عورت کے درمیان کسی طرح کی تفریق عمل میں آئے۔

مذہب اسلام کے اندر کسی ذمہ داری کا مکلّف ہونے کا مدار عقل ہے، ذمہ داری کی ادائیگی سزا وجزاء کے اندر مرد وعورت کے درمیان مساوی حیثیت اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث نبوی کی یہ غلط تشریحات ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں مرد وعورت کے درمیان مساوات کے اسلامی تصور سے متصادم ہیں اگر ان غلط تشریحات کو اپنی جگہ درست مان لیا جائے تو مردوں کی ذمہ داریوں کی بہ نسبت عورت کی ذمہ داریاں نصف ہوئیں، نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکوۃ، وغیرہ میں عورت کے اوپر فرائض مردوں کی بہ نسبت نصف ہی ہوتے، لیکن یہاں تو رخصت کرنے والے والیاں مستحق اجر ہوتے ہیں جیسا کہ وہ فرائض کی مکمل ادائیگی کی صورت میں اجر کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ کسی بھی معاملے میں مذموم نقص کا ازالہ اور اصلاح وتبدیلی کی جاسکتی ہے، اور اصلاح وتبدیلی کے بعد وہ مذموم نہ ہوکر قابل ستائش بن جاتا ہے۔ اگر شریعت کے اندر عورتوں کو حاصل اس رخصت کو جو کہ حائضہ ونفساء سے نماز وروزہ ساقط ہونے سے متعلق ہے، بطور مثال مذموم مان لیتے ہیں تو پھر لازمی طور پر حائضہ اور نفساء کے نماز روزے کو شرعاً مقبول وممدوح ماننا پڑے گا جبکہ ایسا نہیں ہے صورتحال اس کے برعکس ہے۔

اخیر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ کیا کوئی بھی ذی عقل اس بات کی اجازت دے سکتا ہے یا اس فکر کو کسی بھی طرح درست ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام اور فطرت الٰہی انسانیت ومعاشرہ سازی کی اہم ترین ذمہ داری جس میں انسان سازی خانگی دیکھ ریکھ اور امت کے مستقبل سازی ساری ذم داریاں شامل ہیں، اتنے اہم کام کو عقلی ودینی طور پر ناقص عورتوں کے حوالے نقص کے اس منفی مفہوم کے باوجود کردیا جائے گا جو کہ غلو پسندی کے دینی وسیکولر طبقے کی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر ایک طرح کا ظلم ہے جنہوں نے عورت کو مرد کے مساوی آزادی عطا فرمائی ہے، کیونکہ انہیں اللہ تعالی نے علی الاطلاق پوری نوع انسانیت کو فعال زندگی عطا کرنے کے لئے مبعوث کیا تھا، " **يأيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما**

یحییکم" (انفال:۲۴) (اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں)۔

انہوں نے اس فعال زندگی کے ذریعہ پوری انسانیت کے گلے سے قید و بند کے طوق کو اتار پھینکا، "**الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والإنجیل یأمرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم إصرهم والأغلال التی کانت علیهم**" (اعراف:۱۵۷)۔

(جولوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں)۔

یہ غلط اور نا قابل التفات تشریحات ہیں جنہیں قدیم جاہلانہ رسوم وعادات کے اس پر دین وشریعت کو دینے انہیں رسوم پر چسپاں کرنے کے فراق میں ہیں جن کا اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اسی طرح حدیث نبوی بھی کسی زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کی تائید سے بری الذمہ ہے۔

ہمارے لئے مناسب ہوگا کہ ہم اس شبہ کا ازالہ کر لینے کے بعد اس سلسلہ میں اسلامی فکر کو منقح کر کے پیش کریں جس کے ذریعہ ہم نے حدیث نبوی کے صحیح مفہوم کو پیش کیا ہے یہ چیز ان لوگوں کے لئے بطور خاص ضروری ہے جو کسی بھی فکر پر اعتماد کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوتے جب تک کہ نصوص سے اس کی بنیاد فراہم کر کے اسے واضح طور پر نہ پیش کیا جائے۔

ہم یہاں سلفی حضرات کے امام ابن القیم کے الفاظ نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''عدل سے متصف عورت سچائی وامانت ودیانت داری میں مردوں کے مساوی حیثیت رکھتی ہے''۔

امام محمد عبدہ کے الفاظ میں:

'مرد وعوت کے حقوق باہمی طور پر لے اور دے کے اصول پر مبنی ہوتے ہیں وہ باہم ایک دوسرے کا تتمہ ہیں، ان کے حقوق وواجبات کے اندر بالکل ویسی ہی یکسانیت پائی جاتی ہے جیسا کہ وہ اپنی ذات، احساس وشعور اور سوجھ بوجھ میں یکساں ہیں، بالفاظ دیگر ان میں کا ہر ایک مکمل ذی عقل انسان ہے جو اپنے اچھے برے کے بارے میں غور وخوض کرتا ہے اس کی اپنی مرضی ومنشا ہوتی جو چیزیں اس کے منشا کے مطابق ہوتی ہیں وہ انہیں پسند کرتا ہے اور ان سے اسے خوشی ہوتی ہے اور جو اس کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں ان سے اسے نفرت ہوتی ہے۔

شیخ محمد شلتوت کے الفاظ میں:

اسلام نے عورت کی تخلیقی فطرت کو انسانی فطرت قرار دیا ہے، جو عقل وفہم اور ادراک رکھتی ہے، اپنی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں وہ خود مختار ہوتی ہے وہ اپنے ذاتی اور فرائض عبادات، خانگی ذمہ داریوں اور ہم معاشرہ خواتین کی جماعت کے مسائل کے سلسلہ میں وہ خود ذمہ دار ہوتی ہے، نفس ذمہ داری کے اندر وہ اپنے مرد بھائیوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہوتی، عنداللہ سزا وجزاء کے سلسلہ میں اس کا معاملہ اس کی اطاعت وسرکشی کی رہین منت ہوتا ہے اگر وہ بدخصلت اور گمراہ ہے تو مرد کی طاعت شعاری اس کے کوئی کام نہ آئے گی، اور اگر وہ نیک اور راہ راست پر گامزن ہے تو پھر مرد کی معصیت اس کے لئے باعث مضرت نہ ہوگی۔

''**ومن يعمل من الصالحات من ذكرأو أنثى وهو مؤمن فأولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون نقيراً**'' (سورہ نساء: ۱۲۴) (جو ایمان والا ہو مرد یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی

ان کا حق نہ مارا جائے گا)۔

"**فاستجاب لهم ربهم أنى لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثى بعضكم من بعض**" (آل عمران: ۱۹۵) (پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا)۔

وحی الٰہی کی اس قرآنی تعبیر پر غور کیا جانا چاہئے کہ بعضکم من بعض تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن نے عورت کو کس قدر بلند مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس نے عورت کو مرد کا جزء قرار دیا ہے اور مرد کہیں اس پر اترانے نہ لگے کہ عورت اسی کا جزء ہے اسے بھی لگام لگایا اور عورت جزء قرار دیا، مساوات کا مفہوم ان الفاظ سے زیادہ واضح اور سہل انداز میں بیان نہیں کیا جا سکتا جس نے مرد و عورت کی جملہ طبعی خصوصیات کو بغیر کسی باہمی برتری اور تسلط کے اپنے اندر سمو لیا ہے جو ان کی مشترکہ زندگی کے اندر ظاہر ہوتے ہیں، "**للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء مما اكتسبن**" (نساء: ۳۲) (مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا)۔

عورت پر اس کی عبادت اور ذاتی امور سے متعلق ذاتی نوعیت کی ذمہ داری عائد ہونے کے علاوہ دینی نقطہ نظر سے اجتماعی ذمہ داریاں بھی اس پر عائد ہوتی ہیں جو بھلائی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق ہیں قرآن کریم نے عورت پر عائد ہونے والی اس نوعیت کی ذمہ داری کی صراحت کی ہے، قرآن نے عورت اور اس کے بھائیوں کے تئیں اس ذمہ داری کا تذکرہ ایک ساتھ کیا ہے جیسا کہ ایمان و اخلاق سے انحراف کی ذمہ داری ان دونوں پر اکٹھے عائد کی ہے۔

"**والمومنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكوة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم**" (توبہ: ۷۱) (مومن مرد اور مومن عورت

آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور معاون) اور دوست ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی بہت جلد رحم فرمائے گا بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے)۔

"**المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون أيديهم نسوا الله فنسيهم إن المنافقين هم الفاسقون وعد الله المنافقين والمنافقات والكفار نار جهنم خالدين فيها هى حسبهم ولعنهم الله ولهم عذاب مقيم**" (تمام منافق مرد وعورت آپس میں ایک ہی ہیں جو لوگوں کو برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلائیوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں یہ اللہ کو بھول گئے اللہ انہیں بھول گیا، بے شک منافق ہی فاسق و بدکار ہیں اللہ تعالی ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

یہ چیز دین کے منافی ہے کہ عورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تئیں اپنی ذمہ داری کو جو کہ دینی نقطہ نظر سے سب سے بڑی ذمہ داری ہے اس دلیل کے ساتھ تن تنہا مرد پر ڈال دے کہ وہ اس ذمہ داری کی انجام دہی پر اس سے زیادہ قادر ہے یا یہ کہ اس کی صنفی طبائع اسے اس ذمہ داری کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتے مرد وعورت دونوں کی کارکردگی کے اپنے الگ الگ دائرے ہوتے ہیں، زندگی کا کارواں دونوں صنفوں کی باہمی معاونت کے بغیر اس طور پر گامزن نہیں ہوسکتا کہ امت کو فروغ حاصل ہو، اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اپنی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوجاتا ہے تو زندگی کی ڈگر راہ راست سے ہٹ جائے گی۔

یہاں انتہائی اہم بات یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو اس کے مرد بھائیوں کے ساتھ خاص وعام تمام تر ذمہ داریوں کے اندر محض اشتراک عمل کا ہی حق نہیں دیا ہے بلکہ اس کی ذمہ

داریوں کے تناظر میں معاشرے کے اندر اس کی قدر ومنزلت میں اضافہ کرتے ہوئے اس کی آراء کا بھی احترام کیا ہے جس سے اسلام کے اندر اس کے مقام ومرتبے کا پتہ چلتا ہے رائے دہی کے سلسلہ میں عورت کا بھی مقام وہی ہے جو مردوں کا ہے اسلام نے جس طرح بعض مردوں کی رائے کو اختیار کیا ہے اسی طرح بعض عورتوں کی رائے کو بھی اختیار کیا ہے۔

سورہ مجادلہ کے اندر اسلام نے عورت کی رائے کا احترام کیا ہے اور اسے آپ ﷺ نے مباحثہ اور گفتگو کا عنوان دیا ہے، آیت کریمہ کے اندر عورت کو آپ ﷺ کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے، "**واللہ یسمع تحاورکما**" (مجادلہ:۱) (اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا)۔

اور اس کی رائے پر فیصلہ کر کے اسے ہمیشہ کے لئے شرعی ضابطہ کی حیثیت دیدی ہے اس طور پر سورہ مجادلہ نسواں آراء وافکار کا مظہر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا خدائی دستاویز ہے جس پر رہتی دنیا تک اسلام کے اندر عورتوں کی رائے کے احترام کا تصور جلوہ نما رہے گا، اسلام عورت کو محض ایک کھلتی ہوئی پھول کی کلی نہیں سمجھتا جس کی خوشبو مرد کے مشام جاں کو معطر کر دیتے ہیں بلکہ وہ اس کی نظر میں ایک ذی عقل مخلوق ہے جو سوجھ بوجھ رکھتی ہے اس کی اپنی وقیع اور باوزن آراء ہوتی ہیں۔

ذمہ داریوں اور لیاقت کے سلسلہ میں مرد وعورت کے درمیان دینی طور پر کوئی چیز فرق کرنے والی نہیں سوائے اس کے کہ مرد سے پہلے اس پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنی صنفی خصوصیات کی وجہ سے ذمہ داریوں کی دہلیز یعنی بلوغت تک مرد سے پہلے جا پہنچتی ہے (الاسلام عقیدۃ وشریعۃ/ ۲۲۳-۲۲۸، مطبوعہ قاہرہ:۱۹۸۰ء)۔

اس طرح ان عقلی دلائل اور دینی اجتہادات پر مبنی عبارتوں کی روشنی میں عورت کی حیثیت کے کمتر ہونے کے شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو دینی

اور عقلی اعتبار سے ناقص قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں حدیث نبوی کے حقیقی مفاہیم ومقاصد بھی سامنے آ گئے جس کی غلط تشریحات پیش کی گئی تھیں تا کہ جاہلانہ رسوم اور روایات کو شرعی لبادہ فراہم ہو سکے، انہیں جاہلانہ رسوم کو دینی طبقے کے بعض غلو پسندوں نے اپنے جھوٹ اور بہتان تراشی کے ذریعہ دین بنا کر پیش کیا ہے اور جسے سیکولر غلو پسندوں نے آسمانی دین سمجھ لیا اور عورت کو اس طرح کے مذہب اسلام سے آزاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

خدا تعالی کا فرمان سچا ہے، آیت کریمہ: "**سنريهم آياتنا فى الآفاق وفى أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق أولم يكف بربك أنه على كل شئ شهيد**"(حم السجدہ: ۵۳) (ہم انہیں عنقریب اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ حق یہی ہے کیا آپ کے رب کی ہر چیز سے واقف وآگاہ ہونا کافی نہیں ہے)۔

کئی مسالوں سے ہمارا اور بہت سے دینی اہل علم وفکر کا اس بات پر اصرار رہا ہے کہ اسلام کا راستہ مذہب آزادی نسواں کے ایک عظیم انقلاب کا مظہر ہے لیکن ہمارے اور اہل مغرب ومغرب نوازوں کے درمیان اختلاف کا مرکز آزادی نسواں کا وہ فکری نہج ہے جس کے مطابق وہ عورت کو مرد کا ہم مثل وہم صنف سمجھتے ہیں جب کہ اس سلسلہ میں ہمارا دینی نہج مختلف ہم آہنگ صفتوں کے درمیان کے مساوات کے تصور پر مبنی ہے، ہم مرد وعورت کو ہم مثل وہم صنف کے طور پر نہیں دیکھتے کیونکہ ہم مرد کو مرد اور عورت کو عورت باقی رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ان کے مابین یہ فطری فرق نوع انسانی کی بقا اور مرد وعورت کے درمیان باہمی پذیرائی، ایک دوسرے کی جانب میلان وکشش اور مسرت وشادمانی کا ذریعہ بنے۔

مرد وعورت کے درمیان جس ہم آہنگی اور فرق پر ہمارا اصرار تھا اس کی جانب قرآن

کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔قرآن کریم میں مساوات اور تفریق کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

"**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة**"(سورہ بقرہ: ۲۲۸)(اور عورتوں کے لئے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے)۔

اور"**ولیس الذکر کالأنثی**"(سورہ آل عمران:۳۶)(اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں)۔

آزادی نسواں کے اسلامی نہج پر میرے اس اصرار کے دوران مشیت الٰہی نے دینی نہج پر اہل مغرب کی ہی شہادت انتظام فرمادیا ہے۔روزنامہ الاہرام نے علمی تحقیقی نتائج پر مبنی ایک رپورٹ شائع کی ہے جو بیس سال کی طویل تحقیق کے بعد سامنے آئی ہے جسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اندر انفسیاتی علوم کے ماہرین کی جماعت نے انجام دیا ہے۔یہ تحقیقی رپورٹ ہمارے اس قرآنی نہج کی تصدیق کرتی ہے۔بتیس صنفی خصوصیات کے اندر مرد وعورت کے اندر مشابہ اور اتنے ہی صنفی خصوصیات کے اندر عورت مرد سے مختلف ہوتی ہے۔اسی طرح مرد بھی بتیس خصوصیات کے اندر عورت مختلف ہوتا ہے،اس طور پر اگر دیکھا جائے تو مشابہت سے متعلق بتیس صنفی خصوصیات ان آیات کریمہ پر منطبق ہوتی ہیں،"**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة**" (سورہ بقرہ: ۲۲۸) (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے)۔

"**خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها**"(سورہ نساء:۱)(جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا)۔

"**بعضکم من بعض**"(سورہ آل عمران:۱۹۵)(تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو)۔

آیت کریمہ "**ولیس الذکر کالأنثی**" کے تحت مرد وعورت کے درمیان فطری

فرق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نصف صنفی خصوصیات کے اندر مرد وعورت باہم مشابہ اور نصف کے اندر باہم مختلف ہوتے ہیں۔

مرد وزن کی آزادی کا مثالی نہج دو مختلف ہم آہنگ صنفوں کے درمیان مساوات کا نہج ہے نہ کہ دو ہم مثل و ہم صنف کا فلسفہ اس علمی تحقیق کی اہمیت کو سامنے ہوئے میں نے یہاں اسے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھا روزنامہ الاہرام نے ''عورت سے مختلف مردانہ صنفی خصوصیات باہمی مفاد کی ضامن'' کے عنوان کے تحت شائع کیا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

امریکہ کے اندر نفسیاتی علوم کے ماہرین کے ذریعہ کئے گئے ایک بیس سالہ تحقیق میں مرد وعورت کے اندر موجود جملہ صنفی خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے اس تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بتیس خصوصیات ایسی ہیں جو صرف مرد کے اندر پائی جاتی ہیں اور اتنی ہی خصوصیات ایسی بھی ہیں جو صرف مرد کے اندر پائی جاتی ہیں اور اتنی ہی خصوصیات ایسی بھی ہیں جو صرف عورت کے اندر پائی جاتی ہیں یہ خصوصیات مختلف درج شدہ کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس طرح یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مردانہ وزنانہ صنفی خصوصیات کے دوران فرق پایا جاتا ہے ان تجربات کے ذریعہ ماہرین نفسیات نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے نصف صنفی خصوصیات جو ہر مرد اور عورت کے درمیان مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں، مرد وزن کی مشترکہ بنیادوں کو وجود بخشتے ہیں تاکہ ان کے درمیان باہمی طور پر فکری اور عملی ہم آہنگی پائی جائے۔

دوسری صنف خصوصیات جو مرد کے اندر مساوی ہیں اور مرد وعورت کے درمیان درجے اور شدت کے اندر مختلف ہوتی ہیں، وہ طرفین کے درمیان ہم آہنگی پائے جانے پر دلالت کرتی ہیں ماہرین نفسیات نے ان حقیقی خصوصیات کے مطالعہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے، مرد عورت کے مابین مکمل ہم آہنگی اور تال میل زندگی کے لئے ضروری ہے تاکہ دونوں کے اندر

مختلف نفسیاتی خصوصیات پائی جائیں مثال کے طور پر تیز وتند مزاج شخص کا اسی مزاج کی عورت کے ساتھ گذارہ محال ہے، بخیل شخص کو اپنی زندگی کے اندر بخیل عورت کی رفاقت گریز کرنا چاہئے، یہی معاملہ خودغرض شخص کا ہے جس کا اپنی ذات کے علاوہ کسی سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہوتا اس کا کسی ایسی عورت کو زندگی کا ہمسفر بنانا درست نہ ہوگا جسے اپنی ذات کے علاوہ سے کوئی لگاؤ ہوتا ہی نہیں، دیگر خصوصیات کو اسی پر قیاس کرلیں۔

ان تحقیقاتی نتائج کی اہم ترین حصولیابی اس نقطے تک رسائی ہے کہ کوئی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا رہنا سہنا کسی ایسے کے ساتھ ہو جو جملہ خصوصیات میں اس کا بالکل ہم مثل ہو بالفاظ دیگر وہ اس کی ذاتی خصوصیات کی نقل بمطابق اصل ہو، اسی بنیاد پر مردانگی کو نمایاں کرنے والی صنفی خصوصیات کے اندر اعصاب کی مضبوطی وسختی، شرافت وخودداری، حق بات پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کی صلاحیت، بہادری کی جگہ، بہادری، عورت کا سہارا بننا، اس کی حمایت وحفاظت، اسے خوش وخرم رکھنا شامل ہیں، بایں ہمہ ایک مرد صفت محبت جو دوستی شفقت کشادہ دلی دل وزبان کی راست گوئی اور بہتر طرز عمل سے متصف ہوتا ہے نسوانی صنفی خصوصیات کا امتیازی وصف مزاج کی گرمی ونرمی، نزاکت، شفقت، جذبہ ایثار، جود وسخا، خیر خواہی، اولاد کی خاطر خود کو تج دینا، حکمت ودانائی باہمی خانگی روابط کی شدید خواہش، تعریف پسندی، ذہانت اور حسن تدبیر وغیرہ ہیں اسی بنا پر ہر مرد وعورت کے لئے دونوں صنفوں کے صنفی مزاج سے واقفیت ضروری ہوتی ہے تاکہ ہر ایک فریق ثانی کی صنفی رجحان ومیلان کے مطابق آسانی کے ساتھ معاملے کو نبھا سکے اس لئے کہ جب مرد کو یہ معلوم ہوگا کہ عورت تخلیقی طور پر انتہائی حساس اور نازک جذبات کا پرتو ہوتی ہے تو پھر اسی نہج پر اس کے ساتھ معاملات کو برت سکے گا، بعینہ عورت اگر مرد کے مزاج سے واقف ہوگی تو بآسانی اس کے ساتھ معاملات کو نبھا سکے گی (الاہرام/ ۲، تاریخ ۲۹/۴/۲۰۰۱ء)۔

امریکہ کے اندر ماہرین نفسیات کے ذریعہ بیس سال کے طویل عرصے میں کی گئی علمی

تحقیق کی یہ وہ شہادت ہے جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے معاشرے کی ربط کو مسئلہ پر قرآنی نہج کی تصدیق کرتی ہے کہ دونوں کے درمیان صنفی خصوصیات کے اندر اشتراک ومماثلت اور کچھ کے اندر تفریق تاکہ ان کے مابین بیک وقت مساوات اور تفریق پائی جائے۔

اخیر میں میں پھر ایک مرتبہ کہوں گا کہ باری تعالی کا یہ قول برحق ہے: "**سنريهم آياتنا في الآفاق وفي أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق أو لم يكف بربك أنه على كل شئ شهيد**" (عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھیل جائے گا حق یہی ہے کہ کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف ہونا کافی نہیں ہے۔

چوتھا شبہ:

عورت کی سربراہی (ولایت) قوم کی نامرادی کا باعث

ولایت کا لفظ (واؤ کے زیر اور زبر کے ساتھ) نصرت کا معنی دیتا ہے ہر وہ شخص جسے کوئی ذمہ داری سونپ دی جائے وہ اس معاملے میں ولی اور ذمہ دار ہوتا ہے (امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مطبوعہ دار التحریر قاہرہ: ۱۹۹۱ء)۔

"**الله ولی الذین آمنوا**" (سورہ بقرہ: ۲۵۸) (ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالی خود ہے)، "**إن ولی الله**" (اعراف: ۱۹۶) (یقیناً میرا پروردگار اللہ تعالی ہے)، "**والله ولی المؤمنین**" (سورہ آل عمران: ۶۸) (خدا تعالی اہل ایمان کا مددگار ہے)۔

"**قل یا أیها الذین هادوا إن زعمتم أنکم أولیا لله من دون الناس فتمنوا الموت**" (جمعہ: ۶) (کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعوی ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو)۔

"**مالکم من ولایتهم من شئ**" (انفال: ۷۲) (تمہارے لئے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں)۔

ولایت کے معنی نصرت و مدد کے ہیں تو پھر اس مسئلہ میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عورت کو زندگی کے بہت سے شعبوں میں مددگار اور سربراہ حاصل ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کا یہ متفقہ موقف ہے کہ اسلام نے ان ساری خود ساختہ شریعتوں اور تہذیبوں سے کہیں پہلے عورت کو خصوصی مالی اختیارات و تصرف اور اس پر قبضے کا حق دے دیا تھا،

اسے اپنے مال پر حق ملکیت، اس میں اضافہ وسرمایہ کاری اور خرچ کرنے کا اختیار بالکل مردوں کی طرح حاصل تھا، اقتصادی اور مالی اختیارات انسانوں کی پوری معاشرتی تاریخ کے اندر سب سے زیادہ برتا جانے والا اختیار وتصرف ہے اور مالی سرمایہ کاری تو ایسا اختیار وتصرف ہے جو ذاتی دائرے سے نکل کر اجتماعی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

مسلمان بالاتفاق عورت کے حق خودمختاری کے قائل ہیں جس کی بنیاد پر وہ شادی کے خواہش مندوں کی پیش کش کے سامنے آنے پر اپنی شادی کے سلسلہ میں پورے طور پر خودمختار وبااختیار ہوتی ہے اس معاملے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ ولی خاص (اولیاء) یا عمومی ولایت (ولی حکومت) اس امر پر بھی مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کے گھر اور اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بحیثیت ذمہ دار وسرپرست کردار ادا کرنے کا حق وتصرف حاصل ہے، یہ اختیار عورت کا ایسا ذاتی وصف ہے جو اسے معاشرتی سطح پر امتیازی شان عطا کرتی ہے اور جس پر یہ حدیث نبوی دال ہے کہ تم میں کا ہر ایک اپنی رعیت کا نگراں ہے اور اس کے سلسلہ میں وہ جواب دہ ہوگا، چنانچہ امیر لوگوں کا نگراں ہے وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہوگا مرد اپنے اہل خانہ کا نگراں ہے وہ ان کے سلسلہ میں جواب دہ ہوگا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کے بچوں کی نگراں ہے وہ ان کے سلسلہ میں جواب دہ ہوگا، سن لو، تم میں کا ہر ایک اپنی رعیت کا نگراں ہے جس کے سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی (بروایت صحیحین اور مسند احمد)۔

لیکن فقہاء کی ایک جماعت نے عورت کے ان جائز اور حاصل شدہ اختیارات کو ذاتی اختیارات کے دائرے تک محدود کر دیا ہے، ان کی رائے اسے اجتماعی امور سے متعلق اختیارات حاصل نہیں ہوتے، جن کا تعلق ان کی ذات برعکس عام لوگوں سے ہوتا ہے یہ اس کے لئے گھر کے باہر اور ان کی ذمہ داریوں کے ماسوا مسائل ہیں زیر نظر کتاب کے پہلے باب میں عہد نبوی اور

خلفاء راشدین کے زمانے میں اجتماعی عمل کے اندر عورتوں کی شرکت کی عملی شکل اور ان کی معاشرتی سرگرمیوں کی ہم نے جو تفصیلات پیش کی ہیں وہ اجتماعی امور میں شوہر کے مشورے سے شروع ہو کر اس کی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے میں شرکت، حسب باز وتجارت کی نگرانی وذمہ داری حضرت عمرؓ کے حضرت شفا بنت عبداللہ بنت عبدشمس (۲۰ھ، ۶۱۴ء) کو دی گئی مزید برآں گھمسان کی جنگوں خواتین کی شرکت تک محدود ہے، اس کے علاوہ ہم نے جملہ اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں مرد وعورت کے درمیان باہمی تعاون اور مدد پر دال آیات کریمہ پیش کی ہیں جنہیں قرآن کریم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے تحت اس آیت کریمہ کے اندر پیش کیا ہے۔ اجتماعی امور میں عورت کی ذمہ دارانہ شرکت کے مسئلے پر جو کچھ ہم نے پیش کیا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے پر بحث وتمحیص کرنے والوں کی تردید کے لئے کافی وشافی ہے۔

شبہات کے ازالے سے متعلق اس باب کے اندر ہم مزید جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا تعلق حدیث نبوی ''ما أفلح قوم یلی أمرہم امرأۃ'' (وہ قوم کبھی سرخرو نہیں ہوسکتی جس کی سربراہ کوئی عورت ہو) کے سلسلہ میں غلط فہمی پر بحث سے ہے، کیونکہ یہی وہ حدیث ہے جس کی آڑ لے کر اجتماعی امور اور ذمہ داریوں کے اندر عورت کی شرکت کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے جن میں متن کے اندر **لن یفلح قوم تملھم امرأۃ، لن یفلح قوم لوا أمرھم امرأۃ اور لن یفلح قوم أسندوا أمرھم إلی امرأۃ** کی تعبیرات استعمال ہوئی ہیں جو بخاری، ترمذی، نسائی اور امام احمد سے مروی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان احادیث کی صحت بحیثیت روایت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے لیکن ان احادیث کے شان ورود سے اغماض برتے جانے کی وجہ سے ان کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں منفی رخ سامنے آ گیا ہے، جسے اجتماعی عمل میں عورت کے بااختیار کردار کی حرمت کا مستدل

بنالیا گیا ہے۔

اس حدیث کے اندر فرمان نبوی کا پس منظر یہ ہے کہ ملک فارس سے چند افراد مدینہ منورہ آئے، ان سے اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ ملک فارس کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے؟ ان میں سے کسی نے بتایا کہ کوئی عورت ہے اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''ما أفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' وہ قوم کبھی سرخرو نہیں ہوسکتی جس کی باگ ڈور ایک عورت کے ہاتھ میں ہو۔

چنانچہ اس حدیث کے شان ورود کے پس منظر میں تو یہ ملک فارس کے حکمراں کے زوال کی سیاسی پیشین گوئی ہے جو چند ہی سالوں بعد درست ثابت ہوئی جب کہ اس سے کہیں زیادہ اس حدیث کی حیثیت آئینی ہے جس کی رو سے عورت کے اعلی سیاسی اقتدار کی نفی ہوتی ہے۔

اپنے اس پس منظر کی وجہ سے حدیث اقتدار اعلی بالفاظ دیگر سربراہ حکومت اور قائد اعظم سے متعلق ہے، کیونکہ حدیث کے اندر گفتگو کا تعلق ملک فارس کے اندر کسری کے تحت وتاج سے ہے جو اپنے زمانے کی عظیم عالمی طاقتوں میں سے ایک تھا، اقتدار اعلی اور عالم اسلام کی خلافت عظمی کے اعلی ترین منصب کے لئے مرد ہونے کی شرط پر جمہور فقہاء کے درمیان باستثناء خوارج کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اس منصب کے علاوہ جس میں خطوں اور صوبوں کی سربراہی نیز عوامی وعلاقائی اور قومی حکومتیں شامل ہیں، یہ عالم اسلام کے اقتدار اعلی کے زمرے میں نہیں آتے، کیونکہ ان کا تعلق محدود اور جزئی نوعیت کی سربراہی کی ذمہ داری سے ہے جنہیں مشترکہ طور پر قبول کرنے اور نبھانے کی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کے مرد وعورت دونوں پر بغیر کسی تفریق کے عاید ہوتی ہے۔

اس شبہ کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جزئی نوعیت کی سربراہی اور امت کے اندر اعلی

اقتدار و قیادت کے مفہوم کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

جمہور فقہاء نے مرد ہونے کی شرط دار الاسلام کی خلافت کی اعلی قیادت کے سلسلہ میں ہے، ہمارے موجودہ زمانے کے اندر فقہی مسائل میں عورت کے اقتدار اعلی سے کوئی بحث نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ منصب خلافت عثمانیہ کے سقوط (۱۳۴۲ھ، ۱۹۲۴ء) سے اب تک تو مردوں کے بھی پہنچ سے باہر ہے تو پھر عورتوں کا کیا ذکر۔

ایک اور شبہ کی جانب اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ جو خود ہمیں بھی لاحق تھا کہ آیا عورت اجتماعی امور کی سربراہی کر سکتی ہے یا نہیں، دراصل موجودہ زمانے کے اندر اقتدار اعلی کا مفہوم بدل گیا ہے کیونکہ سربراہ کے انفرادی اختیار اب ادارتی اختیار میں تبدیل ہو گیا ہے جو ارباب حل وعقد اور ماہرین کی مشترکہ کارکردگی پر مبنی ہوتا ہے۔

قضاء نے قاضی کے انفرادی فیصلے کے بجائے اب ادارتی فیصلے کی شکل اختیار کر لی ہے، جسے جج حضرات مشترکہ طور پر انجام دیتے ہیں، اب اگر کوئی عورت عدالتی بنچ میں شامل ہو تو قدیم فقہاء کے نہج کے مطابق عورت کی قضا سے متعلق ذمہ داری کی بحث کے زمرے میں نہیں آئے گی کیونکہ یہاں ذمہ دار کی حیثیت مرد و عورت میں سے کسی فرد واحد کے بجائے ادارے کو حاصل ہے، بلکہ قانون ساز ادارے ہی قضاء سے متعلق قانون سازی کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں، جسے عدالتی نظام صرف نافذ کرتا ہے، اب قاضی کی حیثیت باقی نہیں رہی کہ وہ خود اجتہاد کر کے فیصلے کا استنباط اور قانون سازی کرے، قاضی محض قانون کے نفاذ کا ذریعہ رہ گیا ہے جسے آئینی حیثیت اور قانونی شکل ادارہ دیتا ہے جو کہ انفرادی کے بجائے اجتماعی اور ادارتی اجتہاد و قانون سازی کی شکل ہے۔

یہی حال آئین و قانون سازی کا ہے جو اب انفرادی اجتہاد ہونے کے بجائے قانون ساز ادارے کا اجتہاد ہوتا ہے۔ اب اگر عورت اداروں میں شرکت کرتی ہے تو قانون

سازی سے متعلق قدیم تاریخی نقطہ نظر کے مطابق قانون سازی کے اختیار و ذمہ داری کا موضوع نہیں بنے گی۔

شورائی اور جمہوری نظام کے اندر انتظامی امور سے متعلق فیصلے لینے کے اختیارات اب کسی فرد کے دائرہ اختیار میں نہیں ہونے کے بجائے ادارتی اختیار کے تحت آتے ہیں جہاں فیصلہ سازی کا عمل مشترکہ طور پر انجام دیا جاتا ہے، ادارتی امور کے اندر اگر عورت شرکت کرتی ہے تو وہ ان فقہاء کے نقطہ نظر کے مطابق جنہوں نے انفرادی اختیار کے تناظر میں اس مسئلہ کا حل پیش کیا ہے عورت کے اس طرح کے ادارتی اختیارات و ذمہ داری کے موضوع پر گفتگو نہیں کی جائے گی ،فقہاء کا یہ نقطہ نظر اس نئے نظام کے وجود میں آنے اور ادارتی شکل اختیار کرنے سے پہلے کا ہے۔

قرآن کریم نے ملکہ سبا جو کہ ایک عورت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی اور اقتدار اعلی کے تئیں اس کے سرپرستانہ کردار کی تعریف کی ہے کیونکہ اس کی طرز حکمرانی انفرادی اقتدار کے بجائے ادارتی اور شورائی نظام پر مبنی تھی، "**قالت یا أیها الملأ أفتونی فی أمری ما کنت قاطعة أمراً حتی تشهدون**" (سورہ نمل:۳۲) (اس نے کہا میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی)۔

جبکہ قرآن کریم نے فرعون مصر جو کہ ایک مرد تھا کی مذمت فرمائی ہے، کیونکہ وہ فیصلہ سازی اور مقتدرہ اعلی پر انفرادی طور پر مسلط تھا، "**قال فرعون ما أریکم إلا ما أری وما أهدیکم إلا سبیل الرشاد**" (سورہ غافر:۲۹) (میں تمہیں وہ رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں)۔

جس یہ بات سامنے آتی ہے کہ سربراہی کے اعلی ترین منصب کے سلسلہ میں بھی مرد و عورت ہونے کے کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس اعلی سربراہی کے سلسلہ میں جو چیز دیکھنے کی ہوتی ہے وہ یہ کہ طرز حکمرانی ادارتی اور شورائی نظام پر مبنی ہے، یا بے لگام انفرادی تسلط کا دور دورہ ہے،

عورت کو منصب قضاء فائز کرنے کے مسئلے کو لے کر دینی نظام کے اندر عورت کی مکمل حیثیت کے تئیں بعض حضرات شبہات کا شکار ہیں جس کا ازالہ بعض نکات کی جانب توجہ دلا کر کیا جا سکتا ہے:

۱- منصب قضاء پر عورت کے فائز کئے جانے کے تعلق سے جو بھی تحقیقی سرمایہ ہے وہ یا تو اسلامی فکر پر مبنی ہے یا فقہی اجتہادات پر، جنہیں بنیاد بنا کر فقہی احکام مرتب کئے گئے ہیں، وہ کوئی آسمانی حکم اور وحی الٰہی نہیں ہے، اس مسئلے پر قرآن کریم میں کچھ موجود ہے اور نہ ہی احادیث نبویہ میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ قرن اول کے اندر معاشرتی زندگی کے عملی دنیا میں پیش ہی نہیں آیا تھا، لہذا فی الحقیقت اس مسئلے پر شرعی نصوص موجود ہی نہیں ہیں، بریں بنا اس مسئلے کا تعلق اجتہادی مسائل و مباحث سے ہے۔

پھر یہ کہ اس مسئلے کا تعلق معاملات سے ہے، شعائر عبادات سے نہیں ہے، عبادات کا مسئلہ چونکہ نصوص پر موقوف ہوتا ہے انہیں نص شرعی سے ہی ثابت کیا جا سکتا ہے جبکہ معاملات کے اندر شرعی مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں اور منفعت کو بروئے کار لانا ہوتا ہے، جو شرعاً معتبر ہو جیسے متحقق کرنے کے لئے مضرت و منفعت کے پہلوؤں کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے۔

معاملات کے اندر صرف یہ دیکھا جانا ضروری ہوتا ہے کہ کسی نص شرعی کی مخالفت لازم نہ آتی ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے سلسلہ میں نص شرعی وارد ہوئی ہو۔ اور اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ فقہی احکام جو اصلاً فقہاء کے اجتہادات پر مبنی ہوتے ہیں ان کی مثال فتووں کی ہے جو زمان و مکان اور شرعی مفادات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔

چنانچہ منصب قضاء پر عورت کے فائز ہونے کا مسئلہ ایک فقہی مسئلہ ہے اور دینی فقہی اجتہادات کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔

۲- عورت کے منصب قضا پر فائز ہونے کے مسئلے پر قدیم فقہاء کے اجتہادات کے اندر مجتہدین کے مختلف مسالک اور اجتہادات کی بنیاد پر اختلافات پائے جاتے ہیں اور یہ اختلافی

سلسلے بعد کے زمانے تک نسل در نسل پایا جاتا رہا ہے، لہذا اس مسئلے پر فقہاء کا اجماع نہیں پایا جاتا ہے کہ جس کی بنیاد پر خلف کو سلف کے اجماع کا پابند کر دیا جائے چہ جائیکہ خلف از خود اجماع سلف پر بے محل اجماع کر لیں، اس مسئلے پر اجماع کے پائے جانے کے امکان سے بھی گریز کرنا چاہئے، یہاں اجماع سے مراد کسی بھی زمانے میں سارے فقہاء کا کسی ایک فقہی مسئلے پر اتفاق ہے جس کا اس جیسے مسئلے پر پایا جانا بعید از قیاس ہے بہت سے فقہاء نے اس طرح کے فروعی مسائل میں اجماع پائے جانے کی نفی کی ہے۔ ان فقہاء میں امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ، ۷۸۰-۸۵۵ء) بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''جس نے اجماع کا دعوی کیا وہ جھوٹا ہے''۔

اس مسئلے پر موجودہ زمانے اور مستقبل کے اندر از سر نو اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اس طرح دیگر فروعی مسائل بھی اسی ضمن میں آئیں گے، کیونکہ نص شرعی میں اس کا کوئی قطعی ماخذ موجود نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کے اندر امت نے گذشتہ یا آئندہ میں کبھی اختلاف ہی نہیں کیا ہے اور نہ ہی سلیم الطبع علماء اسلام نے اور مفکرین کو ان مسائل میں کبھی کوئی اختلاف پیش آیا۔

۳- ماضی کے اندر عالم اسلام میں عورت کو منصب قضاء پر فائز نہ کئے جانے قائم روایت سے اس کے اس منصب پر فائز ہونے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ماضی میں عورت کو جنگ کے اندر شرکت کی دعوت نہ دینے اور معرکوں میں اس کی عدم شمولیت کی روایت قائم رہی ہے اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ عورت کی جنگوں اور معرکوں میں بوقت ضرورت اور بقدر استطاعت شرکت شرعاً ممنوع ہے، شریعت کے اندر جہاد متعین طور پر ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، عورتوں نے جنگوں اور معرکوں میں عہد نبوت اور خلفاء راشدین کے زمانے میں شرکت کی ہے وہ غزوہ احد (۳ھ، ۶۲۵ء) سے لے کر جنگ یمامہ (۱۲ھ، ۶۳ء) تک شریک ہوئیں جو مسیلمہ کذاب کے ارتداد کے خلاف لڑی گئی، عادات و روایات کا تعلق ضرورتوں سے

ہے جو مصالح حالات اور در پردہ محرکات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔ اسے ہم جائز و ناجائز کی بنیاد نہیں بنا سکتے۔

۴- عورت کے بامنصب قضا پر فائز ہونے کے مسئلے پر نصوص شرعیہ (قرآن وحدیث) کی عدم موجودگی کی صورت میں اختلاف کی وجہ اس مسئلے کے اندر ان کا اختلاف ہے جس پر انہوں نے قضاء پر فائز ہونے کے اس مسئلے کو قیاس کیا ہے۔

چنانچہ جن لوگوں نے اس مسئلے کو اقتدار اعلی اور دار الاسلام کی خلافت کی اعلی قیادت پر اس کو قیاس کیا ہے جیسا کہ شوافع فقہاء کا قیاس ہے، انہوں نے عورت کے منصب قضاء پر فائز ہونے کو شرعاً ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ بعض خوارج کے استثناء کے ساتھ جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے لئے مرد ہونا شرط ہے، انہوں نے امارت کے اقتدار اعلی پر قیاس کرتے ہوئے یہی شرط قاضی پر بھی عاید کر دی یہ ایک فقہی حکم پر کیا گیا قیاس ہے۔ اجماع نہیں ہے اور نہ ہی کسی نص قطعی پر کیا گیا قیاس ہے۔

جن لوگوں نے قصاص اور حدود کے علاوہ مسائل میں عورت کے منصب قضاء پر فائز ہونے کو جائز قرار دیا ہے جیسے امام ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ، ۶۹۹-۷۶۷ء) اور ان کے ہم مسلک فقہاء انہوں نے اس مسئلے کو گواہی پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عورت کے منصب قضا پر فائز ہونے کو انہیں امور کو جائز قرار دیا ہے جن امور میں اس کی گواہی جائز ہے یعنی قصاص اور حدود کے علاوہ مسائل کے اندر یہ جواز پایا جاتا ہے۔

یہاں بھی قیاس کسی نص قطعی پر نہ ہو کہ ایک فقہی حکم پر جس پر اجماع نہیں ہے (قصاص وحدود یعنی قتل کے مسائل میں عورت کی گواہی مختلف فیہ ہے)۔

جس کو ہم نے پچھلے صفحات پر مرد کی بہ نسبت عورت کی نصف گواہی کے عنوان سے شبہ کے ازالہ کے دوران ذکر کر دیا ہے کہ بعض فقہاء نے قتل کے مسئلے پر عورت کی گواہی کی اجازت دی

ہے، خاص کر اس وقت جب کہ اس کی گواہی ثبوت کی فراہمی کا ماخذ ہو جس کے ذریعہ شرعی حدود اور اولیاء کے حقوق کی پاسداری ہوتی ہے۔

بہر حال وہ فقہاء جنہوں نے جملہ مسائل میں عورت کی قضاء کو جائز قرار دیا ہے جیسے کہ امام محمد بن جریر طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ، ۸۳۹-۹۳۰ء) ان کے اس جواز کی بنیاد یہ ہے کہ انہو ں نے قضاء کو افتاء پر قیاس کیا ہے، اور منصب افتاء پر کسی عورت کا فائز ہونا امت کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے جو اصلاً اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی تبلیغ اور نازک ترین دینی منصب ہے۔ منصف افتاء پر عورت کا فائز ہونا سنت جاریہ ہے جسے عہد نبوت کے اندر امہات المومنین و دیگر صحابیات میں سے بہت سی خواتین نے انجام دیا ہے، ان فقہاء نے عورت کی قضاء کو اس کے افتاء پر قیاس کیا ہے اور مختلف احکام و مسائل میں ان کے فتووں کے پیش نظر قضاء کی جملہ شکلوں کے پیش نظر جواز کی رائے دی ہے ان فقہاء نے اپنے اس فقہی رائے کی توجیہ میں اپنا موقف سامنے رکھا ہے کہ قاضی بننے کے لئے جو لازمی امور ہیں ان میں اصل بات اور ثابت شدہ امر جس کی بنیاد پر قاضی ہونے کا حکم لگتا ہے اور مقصد قضاء کا تعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فریقین کے درمیان یقینی طور پر فیصلے کا منصفانہ انعقاد پایا جائے، ابو الولید ابن رشد (۵۲۰-۵۹۵ھ، ۱۱۲۶-۱۱۹۸ء) (پوتے) کے الفاظ میں: ''جو عورت کے حکم کا جملہ مسائل میں نفاذ'' کے تحت وہ کہتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگوں کے درمیان فیصلے کا مجاز ہوگا وہ حکومت کا بھی مجاز ہوگا ہاں مگر خلافت کی اعلی قیادت کو باجماع امت مردوں کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

۵- مرد ہونے کی شرط منصب قضاء پر فائز ہونے کی شرائط میں سے کوئی واحد شرط نہیں ہے جس کے مشروط ہونے پر فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً ان کے درمیان قاضی کے مجتہد ہونے کی شرط پر اختلاف ہے، امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ، ۷۶۷-۸۲۰ء) اور بعض مالکیہ کے نزدیک بھی قاضی کے مجتہد ہونے کی شرط پائی جاتی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اس شرط کے

قائل نہیں ہیں کہ ان کے نزدیک عام شخص بھی قضاء کا عمل انجام دے سکتا ہے۔ عام شخص سے مراد امی ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو (امی پر جاہل کا اطلاق نہیں ہوتا) بعض مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے اس مسئلہ میں احناف کا قیاس آپ ﷺ کے امی ہونے پر ہے۔

اسی طرح قاضی کے باعمل ہونے کی شرط پر بھی فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اس شرط کے مطابق قاضی کا محض چاروں شرعی بنیادوں کتاب وسنت، اجماع وقیاس، سے واقف ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کا باعمل ہونا ضروری ہے اس کے قائل امام شافعی ہیں باقی فقہاء نے اس صرف نظر کیا ہے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ نے تن تنہا یہ شرط عائد کی ہے کہ قاضی کا عرب اور قریش سے ہونا ضروری ہے، قضاء کے لئے مرد کی شرط شرائط قضاء کے اندر وہ واحد شرط ہے جس کے مشروط ہونے کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف ہے بایں طور کہ بعض فقہاء نے اسے کچھ مسائل کے برعکس بعض مسائل کے اندر مشروط قرار دیا ہے اس طرح اس مسئلے میں اجماع نہیں پایا جاتا، اور چونکہ اس سلسلہ میں کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے اس لئے مجتہدین کے اجتہادات کو مقید یا پابند نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۷- منصب قضاء وہ دوسری ذمہ داری ہے جسے سیاسی قانونی اور انتظامی ذمہ داریوں کو لاحق ہونے والی تبدیلی لاحق ہوتی ہے قضاء کی ذمہ داری اپنی انفرادی نوعیت کے بعد ادارتی نوعیت اختیار کر لی ہے، مرد وعورت کی ولایت وذمہ داری کا اب مسئلہ ہی نہیں رہا۔ اب کوئی مرد ہو یا عورت ادارہ اور جمعیت کا حصہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلے نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور اسے نئے زاویے سے دیکھے جانے کی ضرورت ہے، اسے از سر نو اجتہاد کے ذریعہ جدید ادارتی شکل میں پیش کیا جانا چاہئے، عورت کی منصب قضاء کی ذمہ داری سمیت ہر طرح کی ذمہ داریوں نے ادارے کی شکل اختیار کر لی ہے۔

پانچوا رشبہ:

عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کی برتری

عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کی برتری سے متعلق آیات مدینے میں نازل ہوئیں جس کے صحیح مفہوم کے رائج ہونے کی وجہ سے عورتوں کو عہد نبوی میں زمانہ جاہلیت کے معاشرے کے طور طریقوں سے نجات ملی، زندگی کے مختلف شعبوں کے اجتماعی عمل میں دینی نہج پر ان کی شرکت کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ جس کے نمونوں کی ایک جھلک ہم نے اس کتاب کے پہلے باب کے اندر پیش کردی ہے۔ عورتوں کو آزادانہ ماحول فراہم کرنے والے عہد نبوی کے اس دور میں صفت قوام کا تصور عورت کی آزادی کے آڑے نہیں آیا۔ صفت قوام سے متعلق آیات کے اندر مرد وعورت کے مابین مساوات اور عورتوں پر مردوں کو حاصل صفت قوام کی برتری کو یکجا کرنے بلکہ مساوات کو مقدم رکھنے میں خدا تعالی کی حکمتیں پوشیدہ ہیں، واؤ عاطفہ کے ذریعہ ثانی الذکر کا اول الذکر پر عطف کیا گیا ہے جس سے مساوات اور صفت قوام کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی ربط کا پتہ چلتا ہے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مساوات اور صفت قوام کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی ربط کا پتہ چلتا ہے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مساوات اور صفت قوام کے درمیان باہم لازم وملزوم کا رشتہ ہے، دونوں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں، بعض وہم کے شکار لوگوں کی غلط فہمی کے مطابق مرد وعورت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں جس سے مرد وعورت کے باہمی مساوات پر حرف آتا ہے۔

خدا تعالی کی حکمت کے پیش نظر خانگی امور واحکام کے سیاق میں یہ آیت کریمہ وارد

ہوئی ہے:"**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة والله عزیز حکیم**" (سورہ بقرہ:۲۲۸) (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے پاس اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے)۔

سورہ نساء کے اندر عورتوں پر مردوں کی اس برتری کے ذکر کا سیاق خانگی امور اور اس پختہ معاہدے کے دونوں فریق کے درمیان کام کی حصہ داری کی تقسیم ہے جو مرد وعورت پر مشتمل خاندان کے قیام کی بنیاد بنتا ہے، یہاں صفت قوام سے متعلق آیت ان آیات کے ذیل میں وارد ہے، جن کے اندر مرد وعورت کے درمیان حصے نجرے اور حقوق کی تقسیم کا ذکر آیا ہے جس کے اندر کسی بھی فریق کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی یا تفریق نہیں برتی گئی ہے جو مساوات کی روح کے منافی ہو۔ یہ تقسیم پوری طرح کدوکاوش اور اکتساب پر مبنی ہے۔ جس کے ذریعہ ہر فریق اپنے محنت سے مستفید ہوتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"**ولا تتمنوا ما فضل الله بعضکم علی بعض وبما أنفقوا، للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا الله من فضله إن کان بکل شیئ علیما ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والأقربون والذین عقدت أیمانکم فآتوهم نصیبهم إن الله کان علی کل شیئ شهیدا، الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم**" (سورہ نساء:۳۲-۳۴)۔

(اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالی نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالی سے اس کا فضل مانگو، یقیناً اللہ چیز کا ماننے والا ہے ماں

باپ یا قرابت دار اور جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنی ہاتھوں معاہدہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو حقیقتاً اللہ تعالی ہر چیز پر حاضر ہے، مرد وعورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

امت کے پیشوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۳ق ھ-۶۸ ھ، ۶۱۹-۶۸۷ء) جن کے لئے اللہ کے رسول ﷺ خدا تعالی سے تفقہ فی الدین کی دعا کی ہے۔ انہوں نے مساوات کو صفت قوام کے ساتھ ذکر کرنے میں خدا تعالی کی حکمت کو سمجھا ہے انہوں نے خدا تعالی کے قول "**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف**" (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں)۔ کی تشریح میں یہ پر از حکمت اور انسانیت نواز فقرہ کہا ہے میں بھی اس آیت کے پیش نظر اپنی بیوی کے لئے ویسے ہی زیب وزینت کرتا ہوں جیسے کہ وہ میرے لئے کرتی ہے۔

تہذیبی انحطاط کے زمانہ سے پہلے جس نے مسلمان عورت کی زندگی میں جمود کے شکار جاہلانہ رسم ورواج کو دوبارہ داخل کر دیا، امت نے اس بات کو سمجھتی تھی کہ مرد کی صفت قوام کی برتری دراصل خانگی کشتی کے سرپرست کشتی بان کی حیثیت سے ہے یہ سرپرستی گھریلو اور مالی ذمہ داریوں پر مبنی ہے کوئی ڈکٹیٹر شپ اور جبر وتسلط کا منصب نہیں ہے جسے سے مساوات کے کاز کو زک پہنچتا ہے جسے قرآن کریم نے نہ صرف صفت قوام کے ساتھ ذکر کیا ہے بلکہ اس پر مقدم رکھا ہے۔

صفت قوام کا یہ اسلامی تصور محض تشریحات اور معروضی نتائج پر مبنی نہیں ہے بلکہ خانگی معاشرت اور زن وشو کے تعلقات کو سمت دینے والی قرآن کریم کی اصولی فکر پر مبنی تصور ہے، جہاں خاندان کے جملہ امور کی انجام دہی اور سارے خانگی فیصلے باہمی مشورے سے کئے جاتے ہیں بالفاظ دیگر کسی معاملہ میں فیصلہ لینے اور فیصلہ سازی میں جملہ افراد خاندان شامل ہوتے ہیں

کیونکہ یہ افراد اسلام کے پیروکار ہیں اور شورائیت مومن مرد وعورت اور شورائیت مومن مرد وعورت کی بنیادی صفت ہے۔

"**والذین یجتنبو ن کبائر الإثم والفواحش وإذا ما غضبوهم یغفرون والذین استجابوا لربهم وأقاموا الصلاة وأمرهم شوری بینهم ومما رزقناهم ینفقون والذین إذا أصابهم البغی هم ینتصرون**"(شوری:۳۹)(اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیتے ہیں اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا ہر کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہمارے نام پر دیتے ہیں اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں)۔

شورائیت فیصلہ اور انتظام وانصرام کے جملہ امور میں اہل ایمان مرد وعورت کا امتیازی وصف ہے ان امور میں خاندان کو کلیدی اور مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ خانگی معاشرت کے انتظامی امور اور باہمی رضامندی پر مبنی فیصلوں کے سلسلہ میں شورائیت اور باہمی مشاورت ایک ناگزیر امر ہے کیونکہ مشاورتی شرکت کے بغیر کسی مسئلے پر باہمی رضامندی کا پایا جانا بعید از قیاس ہے، انتظام وانصرام سے متعلق چھوٹے بڑے سارے مسائل کے اندر مشاورت ضروری ہوتی ہے، حتی کہ خدا تعالی نے قرآن کریم کے اندر حکمت کے تقاضے کے تحت بچوں کی رضاعت کے سلسلہ میں فیصلے کی بنیاد کا تعین فرمادیا ہے یعنی مستقبل کی آبیاری اور کل کی تیاری کے سلسلہ میں باہمی رضامندی مشورے کی رہین منت ہوتی ہے، خانگی امور سے متعلق آیات حدود جو اخلاقی قدروں، نیکی وبھلائی جرم وگناہ کی نفی، ٹکراؤ اور ظلم وسرکشی سے خلاصی پر مبنی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں گونگے بہرے ان ہی ہتھکنڈوں کے بجائے پاکی وطہارت کے اصول پر خاندان کی استواری سے متعلق آیات کے ضمن میں قرآن کریم نے اس بات کی صراحت کردی ہے کہ خانگی فیصلوں کا

کلیدی ذریعہ مشاورت ہے، آیت:

"والوالدات یرضعن أولاهن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف لا تکلف نفس إلا وسعها لاتضار والدة بولدها ولا مولود له بولده وعلی الوارث مثل ذلک فإن أرادا فصالاً عن تراض منهما وتشاور فلا جناح علیکم إذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف واتقوا الله واعلموا أن الله بما تعملون بصیر" (سورہ بقرہ: ۲۳۳) (مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں، جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو ہر شخص اتنا ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی کہ اس کی طاقت ہو ماں کو اس بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو مطابق دستور جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تمہارے کئے کو دیکھ رہا ہے)۔

صفت قوام کے تئیں مردوں کا تصور یہ تھا کہ یہ ایک ذمہ داری اور خانگی ادائیگی کا بوجھ ہے جو مساوات کے لاحقے سے ملحق ہے، امام محمد عبدہ کے الفاظ میں "صفت قوام عورتوں پر چند چیزیں عاید کرتی ہیں جبکہ مرد پر بہت سی چیزوں کو لازم کر دیتی ہے"۔

عہد نبوی کے اندر احادیث نبویہ ہی اس مسئلے پر قرآنی تعلیمات کی وضاحت کا ذریعہ تھیں، چنانچہ آپ ﷺ کی معصوم ذات گرامی پر آپ کے رب نے دینی وحکومتی اور آپ کی امت سے متعلق معاشرتی مسائل سے متعلق بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی تھی، آیت:

"إنا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً" (مزمل: ۵) (یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات

عنقریب نازل کریں گے)۔

آپ ﷺ ازواج مطہرات کے ہمراہ ہوتے تو وہ ان سے مشورہ کرتیں خانوادہ نبوت کے اندر مشاورت ایک امتیازی وصف ہوتا تھا جو خاص وعام جملہ مسائل وانتظامات کے اندر برتا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ خانوادہ نبوی کے اس عملی نمونے نے عورتوں کی آزادی کو عملی شکل دیدی، عورت مردوں کے ساتھ تمام اجتماعی سیاسی اور اقتصادی وتربیتی امور میں شریک ہوتی تھی بلکہ وہ جنگ تک میں شریک ہوئی، آپ ﷺ ہمیشہ عورتوں کے ساتھ بہتر معاملات کی تعلیم فرماتے تھے، کیونکہ انہیں کچھ ہی عرصے قبل آزادی ملی تھی جاہلانہ رسم ورواج کی قید سے انہیں آزاد ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، بایں ہمہ وہ صنفی طور پر کمزور ہوتی ہیں، انہیں وجوہات کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ ان کے سلسلہ میں برابر وصیت فرماتے اور ان پر ہمیشہ نظر عنایت رکھتے تھے، آپ کی سب سے چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عورتیں مردوں کا تکملہ ہوتی ہیں'' (بروایت ابوداؤد، ترمذی، دارمی، امام احمد)۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر کے اندر کون سے کام کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا وہ انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، آپ ﷺ اپنے کپڑے صاف کرتے، بکری دوہتے، اپنی ضرورت کے کام کرتے (بروایت امام احمد)۔

آپ ﷺ یہ سب کچھ از خود کیا کرتے جبکہ آپ کو دین ودنیا اور حکومت سارے امور میں پوری امت پر برتری حاصل تھی، حجۃ الوداع (۱۰ھ، ۶۳۲ء) کے اندر آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں جو کہ دین وتمدن کے باب میں اسلامی تعلیمات کے مطابق حقوق وواجبات کے تعلق سے عالمی اور ابدی تمدن تھا، اس میں آپ ﷺ نے عوت کے ساتھ حسن برتاؤ کی تاکید میں خصوصی ہدایات فرمائیں جن کے اندر حقوق وواجبات اور مساوات کے سلسلہ میں مرد وعورت کے درمیان اشتراک عمل اور باہمی معاونت کی تاکید فرمائی ہے، فرمایا: اے لوگو! سنو!'' تم عورت

کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو کیونکہ وہ تمہارے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں تمہیں ان سے خیر ہی ملے گی الا یہ کہ وہ کھلے ہوئے فحش عمل کا ارتکاب کریں سن لو کہ تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو، سن لو میں نے تم تک خدا کی دین پہنچا دیا اے اللہ تو گواہ رہنا'' (مجموعۃ الوثائق السیاسۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ ر ۲۸۳، جمع وتحقیق: محمد عبداللہ مطبوعہ قاہرہ: ۱۹۵۶ء)۔

نزول وحی کے زمانے میں صفت قوام کا یہ تصور تھا، خاندان کے اندر مردوں کو حاصل منصب قیادت، اخراجات، مالی ذمہ داری، اور قائدانہ اہلیت کا رہین منت، مردوں کو حاصل یہ قیادت حقوق واجبات کے اندر زن وشو کے درمیان باہمی کفالت ومعاونت کے تقاضوں کے تحت تھی امیر شورائیت کا حکم چلتا تھا، جس میں شریک ہوتے اور گھر بار کے انتظام وانصرام میں حصہ لیتے تھے، گھریلو نظام کی بنیاد شفقت ومحبت کی اساس پر قائم وہ فطری پختہ معاہدہ ہوتا تھا جس نے عورت اپنے شوہر کے لئے راحت وسکون کا سامان بنا دیا، دونوں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے لئے باعث کشش اور ایک دوسرے کے لباس بن گئے بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ قرار پائے۔

''**بعضکم من بعض**'' (سورہ بقرہ: ۱۹۵) (تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو)۔

''**ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجا لتسکنوا إلیها وجعل بینکم مودة ورحمة إن فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون**'' (سورہ روم: ۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)، ''**هن لباس لکم وأنتم لباس لهن**'' (سورہ بقرہ: ۱۸۷) (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)۔

"**وقد أفضى بعضكم إلى بعض وأخذن منكم ميثاقاً غليظاً**" (سورہ نساء:۲۱)
(حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے)۔

صفت قوام کسی بھی اجتماعی نظام کی کسی بھی اکائی کے نظم ونسق اور تنظیمی ڈھانچہ کے لئے ایک لازمی شئ ہے، کیونکہ اختلافات اور مخالفتوں کو ختم کرنے کے لئے قائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے ،اس کے بغیر کوئی نظم ونسق قائم ہی نہیں سکتا، قرآن کریم نے قیادت ورہنمائی کے اس منصب کو اہلیت کی موجودگی اور اخراجات کا بار اٹھانے سے مربوط کردیا ہے، محض مردانہ صنف کی بنیاد پر یہ منصب حاصل نہیں ہوتا، آیت کریمہ کے الفاظ میں "**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض**" (سورہ نساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے)۔

ہر مرد کو ہر عورت پر صفت قوام کی برتری حاصل نہیں ہوتی (یہاں مردوں کا تذکرہ اس لئے ہے) کیونکہ اس کے لئے مطلوبہ وسائل مجموعی طور پر یا زیادہ تر مردوں کے اندر پائے جاتے ہیں، اب اگر یہ وسائل کسی مرد کے اندر نہ پائے جائیں تو پھر عورت کو اس بات کی پوری اجازت حاصل ہوگی کہ اگر وہ مرد سے زیادہ ضروریات زندگی پر قادر ہو تو خانگی اور معاشرتی امور کی باگ ڈور سنبھالے جیسا کہ بعض دفعہ اس طرح کے حالات پیش آتے ہیں۔

یہ تھی قرن اول کے اندر صفت قوام کی فکری اور عملی شکل لیکن بعد کی صدیوں میں جب فتوحات کے بعد اسلامی معاشرے کے اندر بہت سی قومیں شامل ہوگئیں، عورت کی حیثیت اور اس کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے ان کے اندر موجود قدیم عادتوں اور معاشرتی رجحان کی اصلاح نہ کئے جانے کی وجہ سے اسلامی نہج انحطاط اور بگاڑ کا شکار ہوگیا اور اسلامی معاشرے کے اندر جاہلانہ طور طریقے از سر نو عام ہوگئے۔

ہمارے لئے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ لفظ عون جس کے ذریعہ آپ نے حجۃ الوداع کے اندر عورتوں کا وصف بیان فرمایا ہے، لسان العرب کے اندر اس کے معنی بیچ اور درمیانہ (لسان العرب مطبوعہ دار المعارف قاہرہ) بمعنی خیر وخوبی کے ہیں، یہی معنی اصلاحات کے انسائیکلوپیڈیا کے اندر ملتا ہے (المفردات فی غریب القرآن امام راغب اصفہانی مطبوعہ دار التحریر قاہرہ: ۱۹۹۱ء)۔

دور انحطاط میں اس کا مفہوم بدل گیا وہ مردوں کی باندی اور لونڈی بن کر رہ گئی اور صفت قوام نے ان غلام عورتوں کے لئے جابرانہ تسلط کی شکل اختیار کر لی۔

علامہ ابن القیم جیسا امام وقت غلاموں کے دور حکومت میں اپنے زمانے کی عورتوں کی صورت حال بیان کرتے ہوئے یہ حیرت انگیز تبصرہ کیا ہے کہ آقا اپنے غلام کے لئے ظالم وجابر کی حیثیت رکھتا ہے، غلام اس کے حکم کے تحت اور اس کی ملکیت ہوتا ہے، اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے لئے ظالم وجابر ہوتا ہے وہ اس کی محکوم اور مملوکہ شیئ ہوتی ہے اور اپنے شوہر کے زیر تسلط قیدیوں کی سی زندگی گذارتی ہے (اعلام الموقعین ۲/ ۱۰۶، مطبوعہ بیروت: ۱۹۷۳ء)۔

یہ صفت قوام اور زن وشو کے تعلقات کا وہ تصور ہے جس نے اس سلسلہ میں اسلام کے انقلابی حصولیابیوں کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، یہ جاہلانہ رسوم اور معاشرتی طور طریقوں کی انقلابی مہم جو ایک مرتبہ پھر اپنے پلٹ وار کے ذریعہ آزادی نسواں اور مرد وعورت کے درمیان مساوات کی اسلامی روایات پر غالب آنا چاہتی ہیں۔

اس ضمن میں ہم نے یہ بھی پایا کہ تقلید اور فقہی جمود کے زمانہ میں بعض فقہاء نے عقد نکاح کی تعریف ''بیوی سے استفادے کی ملکیت کا عقد'' کیا ہے جو کہ پختہ عہد وپیمان وراحت سکون فریقین کے مابین کشش اور ان کے باہم ایک دوسرے کے لباس ہونے کی جو قرآنی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں ان کے اعلی وارفع مفاہیم سے بغاوت ہے۔

تہذیبی انحطاط کے دور میں امت اپنی معاشرتی روش کے اندر اس طرح کی ہمہ گیر

تبدیلیوں سے دوچار ہوتی ہے۔

عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ انصاف کے اسلامی نہج کے تئیں عصر حاضر کے اندر پیدا ہون ے والی بیداری کی نئی لہر اس بات کی متقاضی ہے کہ اس اسلامی نہج کو مغربی نہج کے بدل کے طور پر پیش کیا جائے، جس نے ہمارے مسلم ملکوں پر مغربی استعمار کی یلغار کے جلو میں عالم اسلام پر دھاوا بول دیا ہے اور جس کی بدبختی نے خود مغرب کے اندر اپنی فطری روش پر قائم عورت کو بدبختی میں مبتلا کر دیا ہے۔ آزادی نسواں کے اس اسلامی نہج کو عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کی برتری کا صحیح دینی مفہوم دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہئے، دینی احیاء وتجدید کے مکتبہ فکر کے اندر اجلہ اہل علم نے اپنے دینی اجتہاد کے سلسلہ میں اسی بنیادی نقطہ کو سامنے رکھا ہے۔

امام محمد عبدہ صفت قوام سے متعلق آیات پر ''**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة**''(.....) اس ناچیے سے غور وفکر کے بعد لکھتے ہیں:

یہ انتہائی جامع کلمہ ہے جس نے اپنے اختصار کے اندر وہ تفصیلات جمع کر دی ہیں جن تک رسائی لمبے عرصے تک دیار علم کی خاک چھاننے کے بعد بھی ممکن نہیں ہے یہ آیت کریمہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کی رو سے مرد وعورت کو تمام حقوق مساوی طور پر حاصل ہیں، البتہ ایک معاملے میں استثناء ہے، جسے ''**وللرجال عليهن درجة**'' (سورہ بقرہ: ۲۲۸) (ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے) کے تحت بیان کیا گیا ہے جبکہ اہل خانہ کے ساتھ معاشرت ومعاملات کے باب میں عورتوں کے حقوق وواجبات کیا ہیں اسے عرف عام پر چھوڑ دیا گیا ہے اور جو کچھ عرف عام میں رائج ہے اسے ہی ان کے عقیدہ وشریعت، تہذیب وعادات کے تحت معتبر سمجھا جائے گا۔

اس جملہ کے اندر مرد کو ایک کسوٹی دی گئی ہے جس پر وہ ہر طرح کے امور اور صورت حال کے اندر بیوی کے ساتھ اپنے معاملات کو پرکھ سکتا ہے اگر وہ اپنی بیوی سے کوئی مطالبہ کرتا ہے تو یہ بات اس کے ذہن میں رہتی ہے اسے بھی اپنی بیوی کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے، اسی بنا پر

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس آیت کی وجہ سے میں بھی اپنی بیوی کے لئے زیب وزینت کرتا ہوں جیسے کہ وہ میرے لئے کرتی ہے۔

یہاں مثل سے مراد متعین اشیاء افراد نہیں ہیں بلکہ یہاں مفہوم یہ ہے کہ ان کے مابین حقوق ''لے اور دے'' کے اصول پر مبنی ہیں دونوں اپنے حقوق وواجبات کے اندر برابر ہیں اگر بیوی اپنے شوہر کے کسی کام آتی ہے تو مرد بھی اسی طرح کا کوئی کام اس کے لئے کرتا ہے اگر یہ بدلہ بعینہ نظر نہ آئے تو اپنی نوعیت میں ضرور مماثل ہوگا، مرد وعورت کے درمیان ذاتی شخصیت، احساسات، عقل وشعور کے اندر یکسانیت پائی جاتی ہے، یعنی ہر ایک مکمل انسان ہوتا ہے اس کے پاس عقل ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کے مصالح پر غور کرتا ہے، اس کے دل ہوتا ہے جو راس آنے والی باتوں پر خوش ہوتا ہے اور نہ راس آنے والی باتوں کو ناپسند اور ان سے نفرت کرتا ہے، یہ بات انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہوگی کہ کوئی صنف دوسر صنف پر حکومت چاہے اور اسے غلام بنا کر اس کے وقار کو پامال کرے نیز اسے اپنے مفادات کے لئے استعمال کرے، بطور خاص شادی اور مشترکہ زندگی کے آغاز کے بعد جانبین کے ذریعہ ایک دوسرے کے احترام اور ادائیگی حقوق کے بغیر تو خوش وخرم زندگی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا یہ وہ مقام بلند ہے جس پر عورت کو فائز کیا گیا ہے کسی دین وشریعت نے عورت کو یہ مقام نہیں دیا ہے بلکہ اس کے پہلے یا بعد میں کوئی بھی قوم اس مقام تک نہیں پہنچ سکی۔

اللہ تعالی نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی عبادات ومعاملات کے باب میں صفت ایمان ومعرفت اور اعمال صالحہ کے حوالہ سے مخاطب کیا ہے، جس طرح مردوں کے ان پر حقوق ہیں ویسے ہی حقوق مردں پر انہیں بھی عطا کئے گئے ہیں، بہت سے آیات کے اندر مردوں کے ذکر کے ساتھ انہیں بھی نام لے کر مخاطب کیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مومن مردوں کی طرح مومن عورتوں سے بھی بیعت فرمائی ہے، کتاب وحکمت کی باتیں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی

سیکھنے کا حکم فرمایا اور پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جیسا کہ کتاب وسنت کے اندر بھی آیا ہے کہ عورتوں کو ان کے اعمال کی جزا دنیا وآخرت کے اندر دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالی ہے: "وللرجال علیهن درجة" (ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے)، اس آیت کی رو سے عورت پر کچھ چیزیں جبکہ مرد پر بہت سی چیزیں واجب ہوتی ہیں برتری کا یہ درجہ سرپرستی اور مفادات کی نگرانی سے متعلق ہے، اور خدا تعالی کے اس قول کی تفسیر ہے، "**الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم**" (سورہ نساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

انسان کی ازدواجی زندگی اجتماعی زندگی ہوتی ہے اور ہر اجتماعی عمل کے لئے کسی سرپرست کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ ایک لازمی امر ہے کہ بعض امور میں شریک عمل افراد کی آراء ورجحانات کے اندر خامیاں وخرابیاں پائی جائیں گی اور ان کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک ان کا کوئی سرپرست نہ ہو جس سے اختلاف کے اندر رجوع کیا جائے تا کہ مخالفانہ روش شروع نہ ہونے پائے، جو اجتماعیت ویگانگت کو درہم برہم کردے اور سارا نظام چوپٹ ہوکر رہ جائے۔ مرد و مصلحتوں سے پوری طرح واقفیت کی بنا پر سرپرستی کا زیادہ مستحق ہے، جو کسی امر کے نفاذ کے سلسلہ میں زور آور ہونے اور مال کی بنا پر زیادہ یا قدرت ہوتا ہے، پھر عورت کی حفاظت اور اخراجات کے سلسلے میں شریعت کا مخاطب بھی وہی ہے جبکہ عورت جائز امور میں اس کی اطاعت کی پابند کی گئی ہے، یہاں صفت قوام سے مراد وہ سرپرستی ہے جس کے ماتحت اپنے ارادہ واختیار کے تصرف کے مجاز ہوتے ہیں، اس کا اس سرپرستی کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ ماتحت مجبور محض ہو، ارادہ واختیار بھی نہ رکھتا ہو اس کی حیثیت محض اپنے سرپرست کے کٹھ پتلی کی ہو۔

مرد وعورت باہم ایک جسم کے اعضاء کی مانند مربوط ہوتے ہیں مرد کی حیثیت سر کی

ہوتی ہے جبکہ عورت بدن کے درجے میں ہوتی ہے۔

جولوگ اپنے گھروں عورتوں پر ظلم کر کے گھر کا مکھیا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی اولاد کو غلام بنانے کی روایت قائم کرتے ہیں (الاعمال الکاملۃ امام محمد عبدہ ۶۰۶/۴، ۶۱۱، ۲۰۱/۵، ۲۰۳، بحث وتحقیق: ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ: ۱۹۹۳ء)۔

تہذیبی انحطاط کے دور میں (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) ازدواجی رشتے کے اعلیٰ ترین مفاہیم کو جو محبت وشفقت سکون وراحت، پختہ عہد و پیمان پر مشتمل ہو اس عجیب وغریب مفہوم میں بدل دیا گیا ہے جس کی رو سے شادی کی بیوی سے استفادے کی ملکیت کا عقد قرار دیا جاتا ہے، جو قید وتسلط کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

موجودہ نئے اسلامی اجتہاد نے اعلیٰ ترین قرآنی مفاہیم پر اعتماد بحال کیا ہے، شیخ محمود شلتوت (۱۳۱۰-۱۳۸۳ھ، ۱۸۹۳-۱۹۶۳ء) نے اپنی تفسیر قرآن کریم کے اندر ''شادی ایک پختہ عہد و پیمان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

سورہ نساء نے ازدواجی رشتے کو الفاظ کا انتہائی شریفانہ جامہ عطا کیا ہے، جس نے شادی کے عقد کو بیع اور اجارہ کے قید وغلامی کے عقد کی طرح ملکیت کے عقد کے زمرے سے باہر نکال کر پختہ عہد و پیمان کی تعبیر کا جامہ عطا کیا، محبت وشفقت اور تحفظ فراہم کرنے کی ذمہ داریوں کو دل میں جاگزیں کرنے کے سلسلہ میں یہ قرآنی تعبیر اپنی مثال آپ ہے جس کی رو سے شادی کی حیثیت ایک ایسے پختہ اور مبارک معاہدے اور رشتے کی ہو جاتی ہے جس سے جانبین کے دل ایک بندھن میں بندھ جاتے ہیں، یہ زندگی کے مفادات کا ملن اور دو صنفوں کے ایک قالب میں ڈھل جانے کا عمل ہوتا ہے، دونوں کے شعور ووجدان میں یگانگت پیدا ہو جاتی ہے، خواہش اور آرزوئیں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتی ہیں، ان کے مابین لگاؤ اور تعلق کی نوعیت دوستی وقرابت داری اور باپ بیٹے کے رشتے سے بھی پرے ہوتی ہے۔ ''هن لباس لكم وأنتم

لباس لهن"(بقرہ:۱۸۷)(وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو)۔

"**ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة إن في ذلک لآيات لقوم يتفكرون**" (روم:۲۱) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

آیت پر غور وفکر کے بعد لوگ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شادی شدہ زندگی ان تین بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔

جب ہماری توجہ اس طرف جاتی ہے کہ قرآن کریم کے اندر لفظ میثاق (معاہدے) کا استعمال خدا اور بندے کے درمیان توحید کے لازمی نکات، احکام کی پابندی اور حکومتوں کے مابین مفاد عامہ اور حساس موضوعات سے متعلق استعمال کیا گیا ہے، تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے شادی کے رشتہ کو کس درجے قدر ومنزلت بخشی ہے، اسی طرح پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لفظ میثاق کے ساتھ غلیظ (مضبوط و پختہ) کی صفت کا استعمال پورے قرآن کے اندر صرف ازدواجی رشتہ اور خدا اور اس کے نبیوں کے درمیان معاہدے کے لئے ہی کیا گیا ہے:

"**وأخذن منكم ميثاقاً غليظاً**" (سورہ نساء:۲۱) (اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے) تو ہمیں قرآن کے ذریعہ عطا کی گئی یہ قدر ومنزلت دوبالا ہوتی ہوئی نظر آ گئی ہے۔

شیخ شلتوت صفت قوام کے درست دینی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں" سورہ نساء کے اندر عورتوں پر اللہ تعالی کی مقرر کردہ مردوں کی برتری کو بیان کیا گیا ہے اور اس سے پہلے ان کے مابین حقوق وواجبات کے اندر مساوات قائم کر دیا گیا ہے، مرد کو حاصل یہ برتری صرف نگراں اور سرپرست ہونے سے متعلق ہے وہ بھی اس طبعی قدرت کی بنا پر ہے جو اسے عورتوں اس کی اس کد وکاوش کی وجہ سے نمایاں کرتی ہے جو اسے بیوی اور گھریلو حقوق کی ادائیگی واخراجات

کے باب میں حصول مال کے لئے کرنی پڑتی ہے، یہ وہ برتری نہیں ہے جس کے ذریعہ دوسروں کو غلام بنایا جاتا ہے اور انہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ فریب کاروں اور مفاد پرستوں کی جانب سے تاثر دیا جاتا ہے۔

یہ شبہ عورتوں پر مردوں کی صفت قوام کے تئیں غلط فہمی اور غلط نظریہ پیش کئے جانے کا نتیجہ ہے جو زمانہ جاہلیت کی دشمنانہ روش کی نقالی سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے جسے امت مسلمہ کے تہذیبی انحطاط کے دور میں ایک بار پھر آزمایا گیا ہے، جو آزادی نسواں کے دینی تصور پر غالب آ گیا ہے، ذمہ داریوں اور نفقہ کی استطاعت کی بنیادوں پر قائم سرپرستی ورہبری پر مبنی صفت قوام کو اپنے ماتحتوں پر سردار کے تسلط کے معنی پہنا دیا جو کسی غلام پر آزاد کو اور کسی زرخرید پر اس کے آقا کو حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ یہ تصور غلط اور نا قابل فہم ہے جس کو ختم کرنے اور اس کے اثرات کو زائل کرنے کی سبیل یہ ہے کہ صفت قوام کے تئیں صحابہ کرام کی فکر کو دینی تصور کی حیثیت سے بطور بدل دینا کے سامنے لایا جائے جسے موجودہ زمانے کے اندر دینی اجتہاد نے ازسرنو پیش کیا ہے جس کی مثالیں ہم نے شیخ محمد عبدہ اور شیخ محمود شلتوت کے تجدیدی اور فکری تحریروں کی شکل میں قارئین کے روبرو کی ہیں۔

بلکہ جو لوگ مردوں کے صفت قوام کو عورتوں کے ساتھ ظلم و جبر سمجھتے ہیں خواہ وہ دینی طبقے کے غلو پسند ہوں جو عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی صلاحیت و توانائی کو قدیم جاہلانہ رسوم میں جکڑ کر انہیں ناکارہ بنا دیتے ہیں، یا وہ سیکولر غلو پسند ہوں جو سمجھتے تھے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ صفت قوام کا یہ غلط مفہوم درست اسلامی نظر اور اس کی روح کے عین مطابق ہے، چنانچہ وہ مغربی نہج کے ذریعہ عورت کو اسلام سے یہی آزاد کرانا چاہتے ہیں، ان تمام لوگوں سے میں یہ مزید کہنا چاہوں گا کہ صفت قوام کی اس سرپرستی کو اسلام نے علی الاطلاق مردوں کی اجارہ

داری میں نہیں دے دیا ہے اور نہ ہی عورتوں کو علی الاطلاق اس سے علاحدہ رکھا گیا ہے۔ اسلام نے ان عورتوں کو بھی صفت قوام سے ان شعبوں کے اندر متصف کیا ہے جن میں انہیں مردوں سے زیادہ مہارت وواقفیت حاصل ہو، اس دعوے کی صداقت پر حدیث نبوی کی وہ عبارت دال ہے جس کے اندر آپ نے فرمایا: تم میں کا ہر ایک اپنی رعیت کا نگراں اور ذمہ دار ہے، چنانچہ امیر اپنی رعایا کا نگراں اور ان کے سلسلہ میں ذمہ دار ہوتا ہے مرد اپنے اہل خانہ کا نگراور ذمہ دار اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگراں اور ذمہ دار ہوتی ہے، سن لو! تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحتوں کا نگراں اور ذمہ دار ہے (بروایت بخاری ومسلم، امام احمد)۔

صفت قوام کی یہ سرپرستی درحقیقت تقسیم عمل کا نام ہے اور اس تقسیم کے سلسلہ میں تجربہ اور مطلوبہ لیاقت کے ذریعہ عمل کے شعبوں کی تخصیص کی جاتی ہے، اس نگرانی وذمہ داری کا استحقاق ہر ایک کو حاصل ہوتا ہے۔ صرف مرد ہی نگراں وذمہ دار نہیں ہوتے ہر تجربہ کار مرد وعورت جن کے اندر مطلوبہ لیاقت وصلاحیت موجود ہو وہ کسی نہ کسی مخصوص شعبے میں ذمہ دار اور نگراں ہونے کے صفت قوام سے متصف ہوتے ہیں اگرچہ مرد کی سرپرستی اور قوام کی صفت کو گھرانہ وخاندان اور خانوادوں کے اندر اس تجربہ اور صلاحیت کے مطابق فوقیت حاصل ہوتی ہے جس کے اندر اسے حصول رزق اور گھر کی حفاظت کے سلسلہ میں امتیاز حاصل ہوتا ہے جبکہ عورت کو گھریلو امور کی دیکھ ریکھ اور بچے بچیوں کی تربیت کے سلسلہ میں سرپرستی ونگرانی کا ملکہ حاصل ہوتا ہے حتی کہ ابھی ماقبل میں مذکور حدیث نبوی کے اندر بھی اس کا اجمالی تذکرہ موجود ہے جس کی رو سے مرد اپنے اہل خانہ کا نگراں وذمہ دار ہوتا ہے جب کہ عورت اپنے شوہر کے گھر بار اور بچوں کی نگراں وذمہ دار ہوتی ہے۔

چنانچہ صفت قوام اصلاً تقسیم عمل کا نام ہے جس کے اندر کام کے شعبوں کی تخصیص تجربے اور صلاحیت کی بنیاد پر ہوتی ہے یہ کسی بھی صورت میں عورت کو لونڈی اور غلام بنانے کا عمل

نہیں ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو کے ذریعہ صفت قوام کے مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے جس سے اس آخری شبہ سے متعلق فریب اور غلط فہمی پر مبنی نظریات کا پوری طرح ازالہ ہو جاتا ہے جو غلو پسندی کے سیکولر اور دینی طبقے کو لاحق تھا۔

آخری بات

ہم نے اپنی اس گفتگو کے اندر اسلام کے اجتماعی نظریے کے مطابق عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ انصاف کے مسئلہ پر بحث کی ہے، جو حقوق کے اندر عورت کو اس کی حیثیت کے اعتبار سے مرد کے برابر اور مساوی قرار دیتا ہے۔ اس مساوات کی بنیاد دونوں صنفوں کے تخلیقی سرچشمہ کی وحدت اور اولاد آدم کے قدیر ان کی مشترکہ قابل احترام حیثیت ہے، ساتھ ہی اس امانت کی ذمہ داری ادا کرنے میں ان کا اشتراک بھی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ادائیگی کی ذمہ داری انسان نے اپنے ذمہ لے لی ہے بعد اس کے کہ یہ ذمہ داری زمین و آسمان پر پیش کی گئی تھی اور انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا یہ ذمہ داری بحیثیت انسان مرد و عورت دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح اس مساوات کے بنیادی عناصر عین ذمہ داریوں کو اٹھانے کی صلاحیت، سزا و جزا کا مرتب ہونا بھی شامل ہیں، مساوات کا یہ اسلامی نظریہ اجتماعی عمل میں عورت کی مساوی شرکت کے اندر مردوں کے تئیں اس کے فطری نسوانی فرق ملحوظ رکھتا ہے لیکن یہ فرق دو ہم آہنگ صنفوں کے درمیان ہوتا ہے، نہ کہ دو مخالف متضاد صنفوں کے درمیان۔

ہم اس مسئلے کے اندر مذکورہ بالا نظریے کے ساتھ نبوی معاشرے کے عملی نمونوں کو بھی مدنظر رکھا ہے جس کے اندر عورتوں نے اپنی صلاحیت و توانائی کو بروئے کار لانے کی اسلامی آزادی کے فکر کو عملی طور پر برتا ہے بایں طور کہ وہ اوقات دین، اسلامی حکومت و معاشرہ اور تہذیب کو تشکیل دینے میں مردوں کے ساتھ شریک ہوئیں ہیں، اسی طرح اس مسئلے کے اندر ہم نے اس سلسلہ میں دین کے فقہی نقطہ نظر سے بھی بحث کی ہے بعض فروعی مسائل فقہائل کرام کے

اختلافات کو تہذیبی انحطاط کے زمانہ میں جمود وتقلید کے شکار حلقوں کی جانب سے عورت کی حیثیت اور اس کے ساتھ انصاف کے تئیں شکوک وشبہات کی بنیاد بنالیا گیا۔ چنانچہ اس فقہی نصوص کو پوری طرح سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں بعض لوگوں نے شک وشبہ کا باعث اور عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ انصاف کی راہ کا روڑا سمجھ رکھا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اسلام کے ذریعہ عورت کے اوج کمال پر پہنچنے کے وسیع تر اور لامتناہی مواقع سے پردہ اٹھتا چلا گیا جو اسلام سے صرف نظر کرنے کی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ مغرب نواز سیکولر غلو پسندوں کا خیال ہے۔

اس کتاب کے اندر دینی اجتہاد کو (بشمول قدیم وجدید) ان تمام اجتماعی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کو ثابت کرنے کے لئے ماخذ بنایا گیا ہے، جن پر وہ قدرت ومہارت رکھتی ہو، اور یہی بنیاد ہے اس شک وشبہ کے ازالے کی جو اجتماعی عمل میں اس کی شرکت پر کئے جاتے ہیں اس دینی اجتہاد کی بنیاد وہ قرآنی نصوص ہیں جو اجتماعی عمل کے اندر معاشرتی ذمہ داریوں کے فریضے کی ادائیگی میں عورت کو شریک قرار دیتے ہیں، اس اجتہاد کا دوسرا سرچشمہ عہد نبوی کے اندر ان قرآنی نصوص کے عملی نمونے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اجتماعی عمل میں عورت کی شرکت کا عملی نہج ہے۔ جب کہ تیسرا سرچشمہ اسلام کے اندر عورتوں کو حاصل وہ ہمہ گیر آزادی ہے جو انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ زندگی ان شعبوں میں بغیر کسی پس وپیش کے آگے بڑھیں جن کے اندر وہ بحیثیت عورت کے اپنی کارکردگی پیش کرسکتی ہوں اور مہارت رکھتی ہوں لیکن ان کی یہ کارکردگی سنت نبوی کے مطابق ہونی چاہئے جس کے ذریعہ ہی یہ ہمہ گیر آزادی عورت کو اس وقت ملی ہے جب آپ ﷺ نے عورتوں سے علاحدہ بیعت فرمائی جس کے اندر کسی مرد نے ان کی نیابت نہیں کی تھی، اللہ کے رسول ﷺ ہی نے انہیں کارکردگی کی یہ ہمہ گیر آزادی عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں یہ کہتے ہوئے اس آزادی

سے مستفید ہونے اور کامیابی کی بلندیوں کو چھونے کی ترغیب دی کی جن کارکردگیوں کی تمہارے اندر طاقت ووسعت ہوان کی تمہیں اجازت ہے۔

بعض اسلامی معاشرے اور دینی معاشرتی ماحول کے اندر ایسے عادات واطوار اور معاشرتی رسم ورواج چھا گئے بلکہ انہوں نے تسلط حاصل کرلیا جنہوں نے عورت کو اجتماعی عمل کے ان شعبوں کے اندر بھی شرکت سے روک دیا جن کی وہ اہلیت واستطاعت رکھتی ہے۔ آزادی نسواں کا اسلامی تصور ان عادات ورسوم کو عورت کی آزادی اور اس کے ساتھ انصاف کے دینی نہج پر از سرنو تشکیل دینے کی دعوت دیتا ہے۔ جو یکبارگی کی اقدام کے بجائے رفتہ رفتہ حالات پر نظر رکھتے ہوئے عمل میں لائی جانی چاہئے۔ معاشرتی حالات سے بے خبر ہو کر قدیم عادات اور رسم ورواج سے صرف نظر کرتے ہوئے یکبارگی اقدام ایسا جاہلانہ عمل ہوگا جو مصلحت امت کے شایان شان نہیں ہے۔ اسی طرح آزادی نسواں کا یہ اسلامی تصور ان جاہلانہ عادات واطوار اور قدیم طور طریقوں کو دینی لبادہ اوڑھانے کے عمل کو مسترد کرتا ہے، بلکہ اسے پست حرکت سمجھتا ہے جس کے ذریعہ ان کے عیوب پر دین کا جاذب نظر پردہ پڑ جاتا ہے اور انہیں جھوٹ اور بہتان تراشی کی راہ سے معاشرہ کے اندر عظمت ووقار حاصل ہو جاتا ہے۔

یہی صورتحال ہے دینی معاشرے اور دینی معاشرتی ماحول کا جو آزادی نسواں کے مغربی نہج کی زد میں ہے جس کے مطابق عورت مرد کی ہم صنف ہوتی ہے اور مرد وعورت کے معاشرتی عمل کی تقسیم میں مردانہ وزنانہ صنفی فرق سے صرف نظر کیا جاتا ہے، لگے ہاتھوں دینی رفتار ونظام، وضع قطع، چال چلن اور آداب واخلاق کے شرعی اصول کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اس طرح صنف نازک کی توہین اور بحیثیت ایک عورت اس کی حقوق وناموس کی پامالی کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی پامالی کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے۔

آزادی نسواں کے اس مغربی طرز فکر کا معاشرتی طور پر بے وقار و بے اعتبار ہونا ضروری ہے، اس کی فکری بالادستی اور ہماری زندگیوں میں اس کے عمل دخل سد باب ہونا ناگزیر ہے جس کے لئے بے ہنگم چھاپہ ماری کے بجائے اصولی تنقید اور دینی نہج کو بطور بدل پیش کرنے کا اسلوب اختیار کیا جانا چاہئے، اسی طریقے سے اس معاشرتی صورتحال کو دینی نہج کو قبول کرنے اور پھر اسے اختیار کرنے کے لئے ہموار کیا جانا بھی ضروری ہے۔ اس کتاب کے اندر اجتماعی عمل میں عورت کی شرکت کے تئیں دینی فکر کے واضح نکات پیش کیا گیا ہے، ساتھ ہی غلو پسندوں کے سیکولر اور لادینی دونوں طبقوں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کی یکساں طور پر نفی کی گئی ہے۔

خواتین اسلام کو خصوصاً اور مشرقی خواتین کو عموماً بلکہ پوری صنف عورت کو عہد نبوی کی خواتین کی زندگیوں کو اپنے اندر اتارنے کی دعوت دی گئی ہے جنہیں اسلام نے آزادی بخشی ہے، جس کی اجمالی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

☆ اسلام نے حضرت خدیجہ بنت خویلد (۶۸-۳ق ھ، ۵۵۶-۶۲۰ء) کو اسلام پر ایمان لانے والی پہلی خاتون انسانی فرد ہونے کا شرف بخشا جنہوں نے اسلام اور رسول اسلام کی دعوتی مہم کے اندر سب سے پہلے اپنا تعاون پیش کیا حتی کہ امت مسلمہ کی عملی شکل کے طور پر وہ تن تنہا نمائندہ تھیں، ان کے بعد ہی جن کو توفیق ملی وہ اول وہلہ میں ایمان لائے۔

☆ آزادی نسواں کے اس دینی نہج نے حضرت سمیہ بنت خباط کو (۷ ق ھ، ۶۱۵ء) جو حضرت یاسر کی بیوی اور حضرت عمار بن یاسر کی ماں تھیں پوری امت میں سب سے پہلے جام شہادت نوش فرمانے کا شرف عطا کیا جو آج بھی زندہ وتابندہ اور اپنے رب کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں۔

☆ اسلام نے ہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۶ ق ھ-۵۸ھ، ۶۱۳-۶۷۸ء)

راویہ فقیہ اور مفتیہ ہونے کی عزت بخشی بایں ہمہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کی امت کی خاتون مشیر بھی تھیں جنہوں نے جنگ وصلح سیاست ومعاشرت کے اجتماعی امور کے اندر بھی شرکت فرمائی۔

☆ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ (۱۳ھ، ۶۳۴ء) نے اولین اسلامی حکومت کی تشکیل اور درخت کے نیچے بیعت رضوان کے اندر جو جنگ پر بیعت تھی، صلح حدیبیہ کے موقع سے شرکت فرمائی۔ انہوں نے میدان جنگ کے اندر جنگی محاذوں پر ایسی بے مثال بہادری پیش کی کہ بہت سے مردوں کو دانتوں پسینہ آجائے۔

☆ اسلام نے حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ (۳۰ھ، ۶۵۰ء) کو ایک ایسی خاتون مقررہ کے بننے کا موقع فراہم کیا جن کی تقریر کے دوران منبر کی بے جان لکڑیوں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا تھا، وہ خواتین نمائندہ بن کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں گئیں اور معاشرے کی اہل ایمان خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں مطالبات پیش کئے۔

☆ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ (۲۷ ق ھ-۷۳ھ، ۵۹۷-۶۹۲ء) جنہیں اسلام نے دینی تحریک وحکومت کی تاریخ کے عظیم واقعہ اور نقطہ نظر کی منصوبہ سازی میں شریک کیا، جو اپنے شوہر حضرت زبیر بن العوام (۲۸ ق ھ-۳۶ھ، ۵۹۶-۶۵۶ء) اور جہادی گھوڑ کے گھر بار کی دیکھ ریکھ کرتیں ان کے کھیت میں کام کرتیں اور ان کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوئیں، اپنے شوہر کے احساسات انتہائی غیر کا پاس ولحاظ رکھتی تھیں، وہ اس حیا سے متصف تھیں جو بے پردگی اور نمائش کے لئے مانع ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر (۱-۷۳ھ، ۶۲۲-۶۹۲ء) کی بہادر جاں نثاری اور جذبہ شہادت کی تربیت دی اور ان کے ساتھ ان کے انقلابی بغاوت

کے اندر مشاورت میں شریک رہیں اور حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کے آگے ڈٹ گئیں اور جو ہمت و بہادری کی تاریخ کا ضرب المثل بن گیا۔

درسگاہ نبوت کی تربیت یافتہ چیدہ و منتخب خواتین کا پورا تذکرہ موجود ہے جن کی تعداد ایک ہزار سے بھی زائد ہے، آزادی نسواں کے اسلامی تصور نے چوتھائی صدی سے بھی کم عرصے میں جو کہ بعثت نبوی کی کل عمر تھی انہیں آزادی عطا کر کے ان کی صلاحیت و توانائی کو جلا بخشا اور مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی حکومت کو قائم ہوئے ابھی محض دس برس ہوئے تھے۔

آزادی نسواں کے سلسلہ میں اسلامی نہج کی ایک نمایاں حیثیت ہے، جس کی روشن مثالیں عورت کی آزادی کی تاریخ کے اندر رقم کی ہیں۔

خاندان امت کی پہلی اینٹ ہے جس کے اندر عورت کو کائنات کی سب بڑی پونجی کی نشو ونما اولاد کی تربیت اور امت کے کل کیا تیاری اور انسانیت سازی کی اپنی ذمہ داریوں کے تئیں مستقبل ساز کی حیثیت حاصل ہے۔

اس عظیم ترین ذمہ داری کے باوجود بھی عورت کی کارکردگی کا ہمہ گیر دائرہ کار اسے گھر کی چہار دیواری تک محدود نہیں رکھتا۔ آزادی نسواں کے اسلامی تصور نے عورت کے لئے عام معاشرتی امور میں اپنی کارکردگی پیش کرنے کے لئے وسیع میدان کار فراہم کر دیا ہے، جس کے تحت وہ ذمہ داری بن بھی سکتی ہے اور بنا بھی سکتی ہے وہ خود بھی منتخب ہو سکتی ہے اور منتخب کر بھی سکتی ہے تا کہ وہ اس فیصلہ ساز شوری کے اندر شریک ہو سکے جو خاندانی نظام اور امت کی صحیح سمت میں رہنمائی میں حصہ لے سکے اس طور پر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی مردوں کے ساتھ شریک ہوگی، جسے خدا تعالی نے پوری انسانیت کا فریضہ قرار دیا ہے، اور اسی فریضے کے تحت جملہ اجتماعی شعبوں کے اندر امور کی انجام دہی عمل میں آتی ہے۔ لیکن ان تمام امور کی انجام دہی میں اہلیت و استطاعت کی شرط پر ایک کے لئے لازم ہوگی یہ کسی بھی شرعی ذمہ داری کی

ادائیگی کے لئے ایک عمومی شرط ہے جو مرد و عورت ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اجتماعی عمل میں عورت کی اس شرکت اس کی خانگی ذمہ داریوں کے آڑے نہ آنی چاہئے جو اس کے بنیادی فریضے کا دائرہ اور اس کی نگرانی کا کلیدی محور ہے۔ بایں ہمہ عورت اجتماعی کارکردگی کی وجہ سے دین و شریعت کے کسی ایک بھی ضابطے کو پامال کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔

ڈاکٹر محمد عمارہ

اپنی شخصیت کے آئینہ میں

- اسلامی مفکر، مولف ومحقق رکن اسلامک فقہ اکیڈمی جامع ازہر۔
- مصر کے صوبہ کفر الشیخ کے ضلع قلین کے اندر قصبہ صرودہ کے ایک ایک دیہات میں پیدا ہوئے، ۲۸ رجب ۱۳۳۵ء بمطابق ۱۹۳۱ء ہے خاندان آسودہ حال کاشت کاری سے وابستہ اور دیندار تھا۔
- پیدائش سے پہلے والد محترم نے یہ نذر مانی کہ اگر نرینہ اولاد ہوئی تو وہ اس کا نام محمد رکھیں گے اور اسے علم دین کے لئے وقف کردیں گے، یعنی وہ جامع ازہر میں تعلیم حاصل کرے گا۔
- انہوں نے گاؤں کے مکتب میں قرآن کریم مع تجوید حفظ کیا جبکہ گاؤں کے ہی مدرسہ میں ابتدائی معاشرتی علوم حاصل کئے (لازمی تعلیم)۔
- ۱۳۶۴ھ، مطابق ۱۹۴۵ء میں جامع ازہر کے ماتحت ادارے معہد دسوق سے الدین الابتدائی کے اندر داخلہ لیا اور ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں پرائمری سرٹیفکٹ حاصل کیا۔

پرائمری تعلیم کے ہی دوران جو بیسویں صدی کی چالیس کی دہائی کے دوسرے نصف میں ہی ان کے اندر دینی، قومی اور عرب کے امور سے ان کی دلچسپیاں شروع ہوچکی تھیں، چنانچہ انہوں نے مصر کی آزادی اور قضیہ فلسطین جیسے ایشوز میں۔

مساجد کے اندر اپنے خطبوں اور نثر وشعر کے اندر اپنی تحریروں کے ذریعہ حصہ لیا، پہلا مضمون قضیہ فلسطین کے تعلق سے ''جہاد'' کے عنوان پر اپریل ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ تحریک تعاونت قضیہ فلسطین کے تحت رضا کارانہ طور پر ہتھیار اٹھانے کی ٹریننگ لی، لیکن انہیں فلسطین جانے کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

- ۱۹۴۹ء میں جامع ازہر کے ماتحت ادارے ''طنطا احمدی دینی سکینڈری اسکول میں داخل ہوئے اور سیکنڈری سرٹیفکٹ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں حاصل کیا۔
- سکینڈری تعلیمی مرحلے کے اندر بھی انہوں نے اپنی سیاسی ادبی اور ثقافتی دلچسپیاں جاری کیں ان کے اشعار اور نثری تحریریں مجلّہ مصر الفتاۃ منیر (الشرق) المصری، الکاتب، کے اندر شائع ہوتی رہیں، ۱۹۳۶ء کے معاہدے کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے رضا کارانہ طور پر ہتھیاروں کی ٹریننگ لی۔
- ۱۳۷۴ھ، مطابق ۱۹۵۴ء قاہرہ یونیورسٹی کے دارالعلوم کالج میں داخل ہوئے وہاں سے فراغت حاصل کی، اور عربی زبان و دینی علوم میں طب لیسانس کی ڈگری لی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے فراغت میں تاخیر ہوئی۔ ۱۹۵۸ء کے بجائے ۱۹۶۵ء میں فارغ ہوئے۔
- انہوں نے اپنی قومی ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں یونیورسٹی تعلیم کے دوران بھی جاری رکھی نیز سوئس کے علاقے میں سہ طرفہ جملے کے موقع سے مصر کی قومی دفاع میں ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں شریک ہوئے۔
- مصری اخبار المساء اور بیروت کے میگزین الآداب کے اندر اپنے مضامین شائع کئے، اور ان کی پہلی کتاب (القومیۃ العربیہ) عرب قومیت کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔

- یونیورسٹی سے فراغت کے بعد انہوں نے تقریباً اپنا پورا وقت اور ساری کدوکاوش اپنے فکر ولائحہ عمل کے لئے وقف کر دیا، اور عصر حاضر میں دینی احیاء کے لئے سرگرم چیدہ شخصیات کے مکمل کارناموں کی جمع وتحقیق میں لگ گئے جن میں رفاعہ رافع الطحاوی، جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، عبدالرحمٰن کواکبی، علی مبارک، قاسم امین شامل ہیں۔
اور نمایاں دینی شخصیات پر کتابیں اور مقالے لکھے جن میں ڈاکٹر عبدالرزاق السنہوری پاشا، شیخ محمد الغزالی، عمر مکرم، مصطفیٰ کامل، خیر الدین تیونس، رشید رضا، عبدالحمید بن بادیس، محمد الخضر حسین، ابو الاعلی مودودی، حسن البناء، سید قطب، شیخ محمود شلتوت وغیرہ شامل ہیں۔
- صحابہ کرام میں سے جن نمایاں شخصیتوں پر اپنی تحریر پیش کی ہیں ان میں عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، ابوذر غفاری، اسماء بنت ابی بکر ہیں، اسی طرح انہوں نے (قدیم وجدید) اسلامی فکر کی بیداری اور دینی فکر کی حامل نابغہ روزگار شخصیتوں کے بارے میں اپنی تحریریں پیش کی ہیں جیسے غیلان دمشقی، حسن بصری، عمرو بن عبید، علی بن محمد، ماوردی، ابن رشد (پوتے)، عز بن عبدالسلام کے علاوہ محمد بن الحسن کی ذات گرامی بھی ان میں شامل ہے۔
- ان کی کتابوں میں اسلامی تہذیب وشناخت کو نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے ساتھ ہی اسلام کا تہذیبی لائحہ عمل، حملہ آور مخالف تہذیبوں اور مغرب نواز سیکولر فکروں سے نبرد آزمائی کا غصہ بھی ان کی تحریروں میں پایا جاتا ہے جس سے دینی تصور اور اسلام کے معاشرتی نظام عدل کی روشن فکر نمایاں ہوتی ہے۔
- انہوں نے بہت سے اہل فکر سے ان کے نئے نظریاتی عزائم پر مباحثہ ومناقشہ کیا ہے۔
- قدیم وجدید دینی علمی سرمایے پر اپنی متعدد تحقیقات پیش کی ہیں۔

- انہوں نے ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں دار العلوم کالج دینی علوم میں اسلامی فلسفہ پر ایم اے کیا، یہ ان کے فکری لائحہ عمل اور عملی سرگرمیوں کا حصہ تھا جس کے اندر مقالے کا موضوع ''المعتزلۃ ومشکلۃ الحریۃ الإنسانیۃ'' (معتزلہ انسانی آزادی کے لئے رکاوٹ) تھا۔ جب کہ انہوں نے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء کے اندر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جس کا موضوع'' الاسلام وفلسفۃ الحکم''(اسلام کا فلسفہ حکمرانی) تھا۔
- انہوں نے متعدد خاص فکر پر مبنی کشتی نوٹس لکھے اور متعدد انہوں نے متعدد سیاسی تہذیبی اور عام موضوعات انسائیکلو پیڈیا تالیف کی ، جیسے'' سیاسی انسائیکلوپیڈیا''، عرب تہذیب'' انسائیکلوپیڈیا''مشرقی انسائیکلو پیڈیا اور اسلامی نظریاتی انسائیکلو پیڈیا وغیرہ۔
- بہت سے متعدد علمی وفکری اور تحقیقی اداروں کے رکن رہے جن میں مصر کی مجلس اعلی برائے دینی امور اور المعہد العالی للفکر الاسلامی واشنگٹن، نیشنل اکیڈمی برائے تحقیق اسلامی تہذیب (ادارہ اہل بیت اردن) اور اسلامی تحقیقات اکیڈمی جامع ازہر شامل ہیں۔
- متعدد انعامات وتمغے اعزازی ڈگری اور اعزازات حاصل ہوئے جس میں جمعیۃ أصدقاء الکتاب (تنظیم یاران اہل قلم) کی طرف سے لبنان کے اندر ۱۹۷۲ء میں دیا گیا، حکومت مصر کا تشجیعی انعام ۱۹۷۶ء میں دیا گیا، علی وعثمان حافظ کا سالانہ انعام بحیثیت مفکر ۱۹۹۳ء میں انعام دیا گیا، نیشنل اکیڈمی برائے تحقیق اسلامی تہذیب کی طرف سے ۱۹۹۷ء میں انعام دیا گیا، اور اسلامی فکری بیداری سے متعلق کلیدی قائد کا تمغہ ۱۹۹۸ء میں دیا گیا۔
- تالیف وتحقیق کے میدان میں ان کی فکری کارکردگی سو سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے،

روز ناموں اور میگزین کے اندر شائع ہونے والے مضامین اس کے علاوہ ہیں۔

- ان کی متعدد کتابوں کا مختلف مشرقی ومغربی زبانوں کے اندر ہوا جیسے ترکی ہلایا، فارسی، اردو، انگریزی، فرنچ، اشین اسپیشن، جرمن البانوی زبانیں ہیں۔
- نام: (رباعی) محمد عمارہ مصطفیٰ عمارہ
- پتہ جمہوریہ مصر قاہرہ حدائق الزیتون/۲۶ شارع زیتون، فون: ۷ ۲۵۹۲۹۳ ۲، فیکس: ۲۵۷۰۰۳۸۔

مولف کی فکری تحریریں

تالیفات:

۱-معالم المنہج الاسلامی، مطبوعہ دار الرشاد، قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۲-الإسلام والمستقبل مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۳-نہضتا الحدیثۃ بین العلمانیۃ والإسلام مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۴-معارک الغرب ضد الغزاۃ مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۸ء۔

۵-الغزاۃ الجدیدۃ علی الإسلام مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۸ء۔

۶- جمال الدین الأفغانی بین حقائق التاریخ وأکاذیب لوئس عوض مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۷-الشیخ محمد الغزالی: الموقع الفکری والمعارک الفکریۃ مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۸ء۔

۸-الوعی بالتاریخ وصناعۃ التاریخ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۹-التراث والمستقبل مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۱۰- الإسلام والتعددیۃ: التنوع والاختلاط فی إطار الوحدۃ، مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔

۱۱-الابداع الفکری والخصوصیۃ الحضاریۃ، مطبوعہ دار الرشاد ۱۹۹۷ء۔

۱۲-الدکتور عبد الرزاق السنہوری باشا: إسلامیۃ الدولۃ والمدنیۃ والقانون مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۹ء۔

١٣-الإ سلام والسياسة :الرد علی شبہات العلمانيين مطبوعہ دار الرشاد، قاہرہ ١٩٩٧ء۔
١٤-الإ سلام وفلسفة الحكم، مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٨ء۔
١٥-معركة الإ سلام وأصول الحكم مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٧ء۔
١٦-الإ سلام والفنوق الجميلة مطبوعہ دار الشروق ١٩٩١ء
١٧-الإ سلام وحقوق الإ نسانی مطبوعہ دار الشروق ١٩٨٩ء۔
١٨-الإ سلام والثورة مطبوعہ دار الشروق ١٩٨٨ء۔
١٩-الإ سلام والعروبة مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٨ء۔
٢٠-الدولة الإ سلامية بين العلمانية والسلطة الدينية مطبوعہ دار الشروق ١٩٨٨ء۔
٢١-ہل الإ سلام ہو الحل ؟ لماذا وكيف؟ مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٨ء
٢٢-سقوط الغلو العلمانی مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٥ء۔
٢٣-الغزوی الفكر وہم أم حقيقة؟ مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٧۔
٢٤-الطريق إلی اليقظة الإ سلامية مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٠ء۔
٢٥-تيارات الفكر الاسلامی دار الشروق ١٩٩٧ء۔
٢٦-الصحو ة الإ سلامية والتحد ی الحضاری مطبوعہ داالشروق ١٩٩٧ء۔
٢٧-المعتز لة ومشكلة الحرية الإ نسانية مطبوعہ دار الشروق ١٩٨٨ء۔
٢٨-عند ما أصبحت مصر عربية اسلامية مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٧ء۔
٢٩-العرب والتحد ی مطبوعہ دار لشروق ١٩٩١ء۔
٣٠-مسلمون ثوار مطبوعہ دار الشروق ١٩٨٨ء
٣١-التفسير المار كسی للإ سلام مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٦ء۔
٣٢-الاسلام بين التنوير والتز وير مطبوعہ دار الشروق ١٩٩٦ء۔

۳۳-التیار القومی الاسلامی دار الشروق ۱۹۹۶ء۔
۳۴-الاسلام والأمن الاجتماعی مطبوعہ دار الشروق ۱۹۹۸ء۔
۳۵-الأصولیۃ بین الغرب والإسلام مطبوعہ دار الشروق ۱۹۹۸ء۔
۳۶-الجامعۃ الاسلامیۃ والفکرۃ القومیۃ مطبوعہ دار الشروق ۱۹۹۴ء۔
۳۷-قاموس المصطلحات الاقتصادیہ فی الحضارۃ الإسلامیۃ دار الشروق ۱۹۹۳ء۔
۳۸-عمر بن عبد العزیز دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۳۹-جمال الدین افغانی: موقظ الشرق دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۴۰-محمد عبدہ: تجدید الدنیا بتجدید الدین، دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۴۱-عبد الرحمٰن الکواکبی دار الشروق ۱۹۸۸ء
۴۲-ابوالأعلی المودودی، دار الشروق ۱۹۸۷ء۔
۴۳-رفاعۃ الطہطاوی، دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۴۴-علی مبارک، دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۴۵-قاسم امین دار الشروق ۱۹۸۸ء۔
۴۶-معرکۃ المصطلحات بین الغرب والإسلام مطبوعہ نہضہ قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
۴۷-القدس الشریف رمز الصراع وبوابۃ الانتصار مطبوعہ نہضہ قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
۴۸-ہذا إسلامنا: خلاصات الأفکار ادار الوفاء ۲۰۰۰ء۔
۴۹-الصحوۃ الاسلامیۃ فی عیون غربیۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۰-الغرب والاسلام، مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۱-أبوحیان التوحیدی مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۲-ابن رشد بین العرب والاسلام مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔

۵۳-الانتماء الثقافی مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۴-التعددیۃ: الرؤیۃ الاسلامیۃ والتحدیات الغربیۃ، مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۵-صراع القیم بین الغرب والإسلام نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۶-الدکتور یوسف القرضاوی: المدرسۃ الفکریۃ والمشروع الفکری مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۷-عندما دخلت مصر فی دین اللہ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۵۸-الحرکات الاسلامیۃ: رؤیۃ نقدیۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۵۹-المنہج العقلی فی دراسات العربیۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۶۰-النموذج الثقافی مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۱-تجدید الدنیا بتجدید الدین مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۲-الثوابت والمتغیرات فی فکر الیقظۃ الاسلامیۃ الحدیثۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۷ء۔
۶۳-نقض کتاب الإسلام وأصول الحکم مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۴-التقدم والإصلاح: بالتنویر الغربی؟ أم بالتجدید الاسلامی؟ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۵-الحملۃ الفرنسیۃ فی المیزان مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۶-الحضارات العالمیۃ تدافع؟ أم صراع؟ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۷-اسلامیۃ الصراع حول القدس وفلسطین مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔
۶۸-القدس بین الیہودیۃ والاسلام مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۶۹-الاقلیات الدینیۃ والقومیۃ: تنوع ووحدۃ؟ أم تفتیت واختراق مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۸ء۔

۷۰-السنة النبوية والمعرفة الانسانية مطبوعہ نہضہ مصر ۲۰۰۰ء۔
۷۱-خطر العولمة علی الہویة الثقافیة مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۷۲-مستقبلنا بین العالمیة الاسلامیة والعولمة الغربیة مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۷۳-بین الغزالی وابن رشد زیرطبع۔
۷۴-الدین والدولة والمدنیة عند السنہوری باشا مطبوعہ نہضہ مصر ۲۰۰۰ء۔
۷۵-ہل المسلمون اُمۃ واحدۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۷۶-الغناء والموسیقی حلال اُم حرام؟ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۷۷-تحلیل الواقع بمنہاج العاہات المزفۃ مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۷۸-الحوار بین الإسلام والعلمانیین مطبوعہ نہضہ مصر ۲۰۰۰ء۔
۷۹-من القومیة اُولاً إلی الإسلام اُولا زیرطبع
۸۰-التحریر الاسلامی للمراَۃ مطبوعہ دار الشروق ۲۰۰۲ء۔
۸۱-الظاہرۃ الاسلامیة مطبوعہ المختار الاسلامی ۱۹۹۸ء۔
۸۲-الوسیط فی المذاہب والمصطلحات الاسلامیة نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۸۳-الحوار فریضة إنسانیة زیرطبع۔
۸۴-إسلامیات السنہوری باشا زیرطبع۔
۸۵-منار الإحیاء والتجدید زیرطبع۔
۸۶-النص الاسلامی بین الاجتہاد والجمود والتاریخیة مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۹۹۸ء۔
۸۷-اُزمة الفکر الاسلامی الحدیث مطبوعہ دار الفکر دمشق ۱۹۹۸ء۔
۸۸-المادیة والمثالیة فی فلسفة ابن رشد مطبوعہ دار المعارف ۱۹۸۳ء۔
۸۹-العطاء الحضاری للإسلام مطبوعہ دار المعارف ۱۹۸۳ء۔

٩٠- إسلامیۃ المعرفۃ ماذا تعنی ؟مطبوعہ دارالمعارف ۱۹۸۴ء۔
۹۱-ثورۃ الزنج مطبوعہ دارالوحدۃ ۱۹۸۰ء۔
۹۲- دراسات فی الوعی بالتاریخ مطبوعہ دارالوحدۃ ۱۹۸۴ء۔
۹۳- الإسلام والوحدۃ القومیۃ: مطبوعہ الموسسہ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۹ء۔
۹۴- الإسلام والسلطۃ الدینیۃ مطبوعہ الموسسۃ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۸۰ء۔
۹۵- الإسلام بین العلمانیۃ والسلطۃ الدینیۃ مطبوعہ دارثابت قاہرہ: ۱۹۸۲ء۔
۹۶-فکر التنویر بین العلمانیین والإسلامیین مطبوعہ دارالوفاء قاہرہ ۱۹۹۵ء۔
۹۷-سلامۃ موسیٰ: اجتہاد خاطی أعمالۃ حضاریۃ مطبوعہ دارالوفاء ۱۹۹۵ء۔
۹۸-العالم الاسلامی والمتغیرات الدولیۃ مطبوعہ دارالوفاء ۱۹۹۷ء۔
۹۹-عالمنا حضارۃ أم حضارات؟ مطبوعہ دارالوفاء ۱۹۹۷ء۔
۱۰۰-الجدید فی مخطط الغربی تجاہ المسلمین مطبوعہ دارالوفاء ۱۹۹۷ء۔
۱۰۱-العلمانیۃ بین الغرب والإسلام مطبوعہ دارالوفاء ۱۹۹۶ء۔
۱۰۲-محمد عبدہ سیرتہ وأعمالہ مطبوعہ دارالقدس بیروت ۱۹۷۸ء۔
۱۰۳-نظریۃ جدیدۃ إلی التراث مطبوعہ دارقتیبہ دمشق ۱۹۸۸ء۔
۱۰۴- القومیۃ العربیۃ وموامرات أمریکا ضد وحدۃ العرب العرب مطبوعہ دار الفکر قاہرہ ۱۹۵۸ء۔
۱۰۵-الفکر القائد للثورۃ الإیرانیۃ مطبوعہ دارثابت قاہرہ ۱۹۸۲ء۔
۱۰۶-الإسلام وضرورۃ التغییر مطبوعہ دارالمعارف ۱۹۹۷ء۔

۱۰۷-ظاہرۃ القومیۃ فی الحضارۃ العربیۃ کویت ۱۹۸۳ء۔
۱۰۸- رحلۃ فی عالم الدکتور محمد عمارہ (الحوار) مطبوعہ دار لکتاب الحدیث بیروت ۱۹۸۹ء۔
۱۰۹-نظریۃ الخلافۃ الإسلامیۃ مطبوعہ دار الثقافۃ الجدیدۃ قاہرہ ۱۹۸۰ء۔
۱۱۰-العدل الاجتماعی لعمر بن الخطاب مطبوعہ دار الثقافۃ الجدیدۃ ۱۹۷۸ء۔
۱۱۱-الفکر الاجتماعی لعلی بن أبی طالب مطبوعہ دار الثقافۃ الجدیدۃ ۱۹۷۸ء۔
۱۱۲-إسرائیل ہل ہی سامیۃ؟ دار الکتاب العربی قاہرہ ۱۹۶۸ء۔
۱۱۳- الإسلام وأصول الحکم: دراسات ووثائق مطبوعہ الموسسۃ العربیہ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۸۵ء۔
۱۱۴-الدین والدولۃ مطبوعہ الہیئۃ العامۃ للکتاب ۱۹۹۳ء۔
۱۱۵-الاستقلال الحضاری مطبوعہ الہیئۃ العامۃ للکتاب ۱۹۹۳ء۔
۱۱۶-الإسلام وقضایا العصر دار الوحدۃ بیروت ۱۹۸۴ء۔
۱۱۷-الإسلام والعرب الدینیۃ مطبوعہ دار الوحدۃ بیروت ۱۹۸۲ء۔
۱۱۸-الإسلام والعروبۃ والعلمانیۃ مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۱ء۔
۱۱۹-الفریضۃ الغائبۃ عرض وحوار وتقییم مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۳ء۔
۱۲۰-التراث فی ضوء العقل مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۴ء۔
۱۲۱-فجر الیقظۃ القومیۃ مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۴ء۔
۱۲۲-العروبۃ فی العصر الحدیث مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۴ء۔
۱۲۳-الأمۃ العربیۃ وقضیۃ الوحدۃ مطبوعہ دار الوحدۃ ۱۹۸۴ء۔
۱۲۴-أکذوبۃ الاضطہاد الدینی فی مصر مطبوعہ المجلس الاعلی للشؤون الاسلامیۃ قاہرہ:

۲۰۰۰ء۔
۱۲۵-فی المسألۃ القبطیۃ حقائق أم أدہام مطبوعہ مکتبۃ الشروق قاہرہ ۲۰۰۱ء۔
۱۲۶- الإسلام والآخر: حتی یعترف بمن؟ ومن ینکر من مطبوعہ مکتبۃ الشروق قاہرہ ۲۰۰۱ء۔
۱۲۷-شبہات وإجابات حول القرآن الکریم مطبوعہ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ ۲۰۰۱ء۔
۱۲۸-الإمام الأکبر الشیخ محمد شلتوت مطبوعہ المجلس الاعلی للشون الاسلامیۃ ۲۰۰۱ء۔
۱۲۹-الشریعۃ الاسلامیۃ والعلمانیۃ الغربیہ مطبوعہ دار الشروق ۲۰۰۲ء۔

ب-مطالعہ وتحقیق:

۱۳۰- الأعمال الکاملۃ لرفاعہ الطہطاوی مطبوعہ الموسوعۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۳ء۔
۱۳۱- الأعمال الکاملۃ لجمال الدین الأفغانی مطبوعہ الموسسۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۳ء۔
۱۳۲-الأعمال الکاملۃ للإمام محمد عبدہ مطبوعہ دار الشروق قاہرہ ۱۹۹۳ء۔
۱۳۳- الأعمال الکاملۃ لعبد الرحمٰن الکواکبی مطبوعہ الموسوعۃ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۵ء۔
۱۳۴-الأعمال الکاملۃ لقاسم أمین مطبوعہ دار الشروق قاہرہ ۱۹۸۹ء۔
۱۳۵-رسائل العدل والتوحید مطبوعہ دار الشروق قاہرہ ۱۹۸۷ء۔
۱۳۶-کتاب الأحوال لابی عبد القاسم بن سلام مطبوعہ دار الشروق قاہرہ ۱۹۸۹ء۔
۱۳۷-رسالۃ التوحید للإمام محمد عبدہ مطبوعہ دار الشروق قاہرہ ۱۹۹۳ء۔

۱۳۸-الإسلام والمرأة فی رأی الإمام محمد عبدہ مطبوعہ دار الرشاد قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
۱۳۹-فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال لابن رشد مطبوعہ دار المعارف ۱۹۹۹ء۔
۱۴۰-التوفیقات الإلہامیۃ فی مقارنۃ التواریخ لمحمد باشا المصری مطبوعہ الموسسۃ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۸۰ء۔
۱۴۱-الشریعۃ الاسلامیۃ صالحۃ لکل زمان ومکان للشیخ محمد الخضر حسین مطبوعہ نہضہ مصر ۱۹۹۹ء۔
۱۴۲-السنۃ والبدعۃ للشیخ محمد خضر الحسین مطبوعہ نہضۃ مصر ۱۹۹۹ء۔

ج-مناقشہ:

۱۴۳-أزمۃ العقل العربی مطبوعہ دار الوفاق الدولیۃ قاہرہ ۱۹۹۳ء۔
۱۴۴-المواجہۃ بین الإسلام والعلمانیۃ مطبوعہ دار الآفاق قاہرہ ۱۴۱۳ھ۔
۱۴۵-تہافت العلمانیۃ مطبوعہ دار الآفاق الدولیۃ قاہرہ ۱۴۱۳ھ۔

د-مشترکہ تالیفات:

۱۴۶-الحرکۃ الاسلامیۃ: رؤیۃ مستقبلیۃ کویت ۱۹۸۹ء۔
۱۴۷-القرآن مطبوعہ الموسسۃ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۲ء۔
۱۴۸-محمد ﷺ مطبوعہ الموسسۃ العربیہ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۳ء۔
۱۴۹-عمر بن الخطاب مطبوعہ الموسسۃ العربیہ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۳ء۔
۱۵۰-علی بن ابی طالب مطبوعہ الموسسۃ العربیہ للدراسات والنشر بیروت ۱۹۷۴ء۔

مصادر و مراجع

قرآن کریم

کتب احادیث:

صحیح بخاری مطبوعہ دار الشعب قاہرہ

صحیح مسلم مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء۔

سنن ترمذی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۷ء۔

سنن نسائی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء۔

سنن ابی داؤد مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۲ء۔

سنن ابن ماجہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۲ء۔

سنن الدارمی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۶ء۔

مسند الامام احمد مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ۔

موطا الامام مالک مطبوعہ دار الشعب قاہرہ

کتابیں:

- موسوعۃ العلماء والمختر عین؛ ڈاکٹر ابراہیم بدران، ڈاکٹر محمد فارس مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء۔
- اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ؛ ابن الاثیر الجزری ابو الحسن علی بن محمد، تحقیق محمد ابراہیم البناء، محمد احمد عاشور، مطبوعہ دار الشعب قاہرہ۔
- فتح الباری فی شرح صحیح البخاری: ابن حجر عسقلانی مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء۔

- بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ابن رشد (پوتے) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۴ء۔
- الطبقات الکبری؛ ابن سعد مطبوعہ دار التحریر قاہرہ۔
- الدرر فی اختصار المغازی والسیر ابن عبر البر تحقیق ڈاکٹر شوقی ضعیف مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۶ء۔
- الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ تحقیق ڈاکٹر محمد جمیل غازی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۷ء۔
- اعلام الموقعین عن رب العالمین مطبوعہ بیروت ۱۹۷۳ء۔
- لسان العرب ابن منظور مطبوعہ دار المعارف قاہرہ۔
- الکلیات ابو البقا اللکنوی تحقیق ڈاکٹر عدنان درویش محمد المصری مطبوعہ دمشق ۱۹۸۲ء۔
- الاعلام خیر الدین زرکلی مطبوعہ بیروت ایڈیشن ۳۔
- المفردات فی غریب القرآن امام راغب اصفہانی مطبوعہ دار التحریر قاہرہ ۱۹۹۱ء۔
- فتاوی واقضیۃ عمر وجمع وتحقیق محمد عبد العزیز الہلاوی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۵ء۔
- أعلام النساء عمر رضاء کحالۃ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۹ء۔
- الأحکام السلطانیۃ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۳ء۔
- أدب القاضی مطبوعہ بغداد ۱۹۷۱ء
- مجموعۃ الوثائق السیاسۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۶ء۔
- الأعمال الکاملۃ امام محمد عبدہ تحقیق ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۳ء۔
- صراع القیم بین الغرب والاسلام مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
- مخاطر العولمۃ علی الہویۃ الثقافیۃ تالیف: ڈاکٹر عمارہ مطبوعہ قاہرہ ۲۰۰۰ء۔
- ہل الاسلام ہو الحل ؟ ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۸ء۔
- الاسلام والمستقبل ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
- الإسلام والمرأۃ فی رأی الإمام محمد عبدہ ڈاکٹر محمد عمارہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۷ء۔
- قاموس المصطلحات الاقتصادیۃ فی الحضارۃ الاسلامیۃ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۹۳ء۔
- المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم مطبوعہ دار الشعب قاہرہ محمد فواد عبد الباقی۔
- دلیل السالک لمذہب الإمام مالک محمد محمد سعید مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۳ء۔

- الإسلام عقیدۃ وشریعۃ امام محمد شلتوت مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۰ء۔
- تفسیر القرآن الکریم مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۹ء۔
- اتمام الأعلام ڈاکٹر نزار آباظہ، محمد ریاض المالح۔
- المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی الشریف، وینسنک أ ی مطبوعہ لیدن ۱۹۶۹ء۔

بیک کور

یہ کتاب میانہ روی پر فکری نہج پیش کرتی ہے جو اسلام کے اندر آزادی نسواں کی روح کی آئینہ دار ہے یہی وہ فکری نہج ہے جو قرآنی نصوص سے تائید شدہ اصول ونظریات سے مستفاد ہے، جو عورت کی آزادی، اس کے ساتھ انصاف اور مرد وزن کے مابین مساوات کے ضمن میں وار دہوئے ہیں، جنہیں خدا تعالی نے ابتدائے آفرینش سے ہی یکساں طور پر ایک ساتھ ایک ہی جان وقالب سے پیدا فرمایا ہے، اور انہیں بحیثیت مجموعی روئے زمین کی آبادکاری اور تعمیر کی ذمہ داری اسی وقت سونپ دی تھی جب کہ انہیں مجموع طور پر اس امانت کی ادائیگی کے لئے کرہ ارض پر اپنا جانشیں مقرر کیا تھا۔ اسی طرح اس ذات باری نے حضرت آدم علیہ السلام کی پوری ذریت کو معزز ومکرم بنا کر مرد وعورت ہر ایک کو یکساں عزت عطا فرمائی ہے۔ صلاحیت وذمہ داری، سزا وجزاء میں ان کے مابین یکسانیت کو برقرار رکھا، ساتھ ہی مرد وعورت کے مابین فطری فرق کی پاسداری کو بھی ملحوظ رکھا تا کہ جانبین اپنے اندر موجود ایک دوسرے کی جانب فطری میلان کے ذریعہ ازدواجی مسرت کی نعمت کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں، جو کہ اپنی صنفی خصوصیات میں باہم مختلف ہیں، اگر وہ اپنے ان صنفی خصوصیات میں ہم مثل وہم صنف ہوتے تو ان کے درمیان کسی دوسرے کا تصور محال تھا، اور نہ ہی ان میں وہ میلان پایا جاتا جو دلوں کی باہمی کشش کا باعث ہوتا ہے، مرد وعورت کے درمیان فرق کی پاسداری میں ایک دوسری مصلحت یہ ہے کہ تخلیق، انسانی شرافت، فطری استعداد واہلیت، سزا وجزا، اور عام معاشرتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اشتراک عمل پایا جائے۔ ان تمام امور میں مساوات دو مختلف صنفوں کے درمیان ہے نہ کہ دو ہم مثل وہم صنف کے درمیان اور نہ ہی باہم دست وگریبان صنفوں کے درمیان۔